تذکرہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ

تالیف

مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ

(مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

شائع کردہ شعبۂ تصنیف و تالیف مفتاح العلوم مئو (اعظم گڈھ)

تذکرہ

حضرت مولانا

عبد اللطیف نعمانیؒ

حضرت مولانا نعمانیؒ شیخ الحدیث مفتاح العلوم مئو (م ۱۳۹۲ھ)

کی دینی، علمی، سیاسی اور مجاہدانہ زندگی کے زندہ جاوید کارنامے

اور اہلِ علم و رہنمایانِ ملک و ملت کے خراجہائے عقیدت

مرتب

محمد ظفیر الدین مفتاحی

(مرتب فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

شائع کردہ: شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ مفتاح العلوم مئو اعظم گڈھ

نام کتاب	تذکرہ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ
تحریر	مختلف ارباب قلم
مرتب	محمد ظفیر الدین مفتاحی
سنہ طباعت	ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق جنوری ۱۹۷۴ء
تعداد اشاعت اول	ایک ہزار
صفحات	۱۸۴
قیمت	پانچ روپے
کتابت	فضل الرحمٰن قاسمی
مطبوعہ	محبوب پرنٹنگ پریس دیوبند
ناشر	شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن (یوپی)

ملنے کے پتے

مکتبہ مفتاحی اکیڈمی مئوناتھ بھنجن (یوپی)

مکتبہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (یوپی)

مندرجات تذکرہ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذکرِ لطیف

(۱)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث وناظم جامعہ مفتاح العلوم مئو کی شخصیت، علم وفضل، دین وسیاست اور ورع وتقویٰ میں ممتاز ونمایاں تھی۔ کم وبیش پچاس پچپن سال تک علم وفن کی مسندیں، مسجدوں کے محراب ومنبر اور مذہبی اور سیاسی جلسوں کے اسٹیج آپ کی ذات سے آباد رہے، اور آپ نے خلوص ومحنت سے کتاب وسنت اور ملک وملت کی خدمتیں انجام دیں۔

۶ر جنوری ۱۹۷۳ء کا دن اور شب کا ابتدائی حصہ حسب معمول درس وتدریس اور خدمتِ خلق میں گذارا۔ عشا کی نماز کے بعد کتب حدیث کے مطالعہ میں منہمک تھے کہ کوئی دس ساڑھے بجے رات میں اچانک پہلی دفعہ دل کا دورہ پڑا۔ آپ نے فوراً محسوس کر لیا کہ یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں، اس وقت جو طلبہ موجود تھے ان سے فرمایا۔

"میرے لئے دعائے مغفرت کرنا اور کل میری نماز جنازہ میں شریک ہونا"

یہ کہہ کر خود ذکر واستغفار میں مشغول ہو گئے، اور اسی حالت میں دس بارہ منٹ کے اندر ابدی نیند سو گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

۲

آپ کی اچانک وفات سے احباب وتلامذہ اور متعلقین میں صفِ ماتم بچھ گئی اور دنیائے علم وسیاست میں کہرام مچ گیا، ہر شخص اپنی جگہ دم بخود تھا کہ یہ کیا ہو گیا، اس حادثہ کا اثر قدرتی طور پر سب سے زیادہ اربابِ مفتاح العلوم مئو اور باشندگانِ مئو پر پڑا، وقت کے ساتھ

غم والم کی طغیانی جب ذرا کم ہوئی، تو آپ کے تلامذہ کو سوانح حیات شائع کرنے کی فکر لاحق ہوئی۔

موجودہ طلبا نے اصلاح اللسان کی طرف سے نعمانی نمبر کا اعلان کیا اور قدیم تلامذہ نے مستقل حیات مرتب کرنے کا ارادہ کیا، اس سلسلہ میں صاحبزادہ محترم مولانا رشید احمد مفتاحی کا گرامی نامہ موصول ہوا۔

"مخدومنا الاستاذ شیخ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے دماغ اس قدر پراگندہ ہے کہ سامنے کی باتیں بھی گرفت میں نہیں آتیں، ہفتوں اس میں سرگرداں رہا کہ حضرت کی زندگی پر ایک جامع کتاب مفتاحی اکیڈمی کی طرف سے شائع کراؤں مگر اس کے لئے ہزار سوچنے پر بھی کوئی موزوں شخصیت ذہن میں نہیں آرہی تھی،...... اس پر حیرت ہے کہ اب تک آپ کی طرف ذہن کی رسائی کیوں نہیں ہوئی، اس کام کیلئے آپ سے زیادہ موزوں شخصیت کوئی اور نہیں ہوسکتی..... آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کی زندگی پر ایک جامع کتاب لکھنے کا عزم فرمالیں۔"

(مورخہ ۱۵ فروری ۷۳ء)

ابھی میں اس کام کے لئے نوک پلک درست بھی نہ کرنے پایا تھا، کہ ناظم اصلاح اللسان مفتاح العلوم مئو، مولوی محمد مصطفےٰ مفتاحی کا خط پہنچا۔

"ہم طلبہ مفتاح العلوم مئو "نعمانی نمبر" نکالنا چاہتے ہیں، مولانا ممتاز احمد صاحب مفتاحی کی رائے ہے کہ اس سلسلہ میں آپ سے تعاون حاصل کیا جائے۔"

اس کے کچھ دنوں بعد خود برادر موصوف مولوی ممتاز احمد مفتاحی نے لکھا۔

"نعمانی نمبر کی ترتیب کی ذمہ داری آپ قبول فرمالیں، آپ خود یہاں آجائیں یا لکھیں تو مضامین آپ کی خدمت میں بھیج دیئے جائیں، بہر حال یہ کام کرنا ہے۔"

(۳)

غم سے یہاں خود نڈھال تھا، حد یہ ہے کہ اب تک حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر حاضری سے بھی محروم تھا، بڑی مشکل سے ۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ کو مئو پہنچا، مرقد مبارک پر اشکبار حاضری دی، پھر سرپرست مدرسہ حضرت الاستاذ مولانا اعظمی دامت برکاتہم اور صاحبزدگان حضرت الاستاذ مولانا نعمانی کی خدمت میں حاضر ہوا،

اس سفر میں برادر عزیز مولوی ممتاز احمد مفتاحی سلمہٗ نے نعمانی نمبر کی ترتیب اشاعت پر خصوصی طور

سے زور دیا، یہ بات حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ کے سامنے بھی میں نے رکھی، اس موقع سے میں نے یہ بھی عرض کیا کہ سب سے بہتر یہ ہوگا کہ تذکرہ کے نام سے مستقل کتاب چھپوائی جائے، یہ رائے پسند کی گئی، ایک ہفتہ کے بعد خاکسار مئو سے دیوبند آگیا، چند ماہ کے بعد مضامین آنے شروع ہو گئے، میں نے خدا کا نام لے کر کتابت شروع کرادی، ناظم انجمن اصلاح اللسان مضامین فراہم کر کے بھیجتے رہے اور میں دیکھ کر کاتب کے حوالہ کرتا رہا، اس طرح یہ تذکرہ تیار ہو گیا، جو آپ کے ہاتھوں میں ہے،

مقالے لکھنے والوں میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے احباب بھی ہیں جو استاذ العلماء کی حیثیت رکھتے ہیں اور تلامذہ بھی، ان تلامذہ کی صف میں مختلف مدارس کے اساتذہ و طلبہ بھی ہیں، اور ملک کے مشہور مصنفین اور ایڈیٹر صاحبان بھی، ان مقالات سے آپ کی علمی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے اور سیاسی زندگی پر بھی،

(۴)

یہ درست ہے کہ یہ تذکرہ جامع سوانح حیات نہیں ہے، مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس مجموعہ مضامین میں حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بہت سارے گوشے اجمالی یا تفصیلی طور پر آگئے ہیں، جو گوشے تشنہ رہ گئے ہیں یا نہیں آسکے ہیں انشاء اللہ جب کبھی مکمل حیات[1] آئے گی، اس وقت پورا دھیان رکھا جائے گا، ناظرین کا فرض ہے کہ جو کمی محسوس فرمائیں اسے نوٹ کریں اور اس کی اطلاع دیں تاکہ آئندہ اس کا اضافہ کیا جا سکے۔

اس تذکرہ میں اخبارات و رسائل کے تأثرات کا اقتباس بھی شامل کر لیا گیا ہے، بلکہ مقامی جلسوں کی کارروائی اور علماء و زعمائے ملک و ملت کے تعزیتی خطوط اور تار کا خلاصہ بھی،

نثر والے حصہ پر خود خاکسار نے نظر ثانی کی ہے اور بعض مضامین میں کہیں کہیں معمولی رد و بدل بھی کیا ہے جہاں ایسا کرنا ناگزیر معلوم ہوا، مگر اس طرح کہ مفہوم بدلنے نہ پائے، اور نظم والے حصہ پر مولانا حکیم عزیز الرحمٰن اعظمی استاذ جامعہ طبیہ دارالعلوم دیوبند نے نظر ثانی فرمائی ہے، جو شاعر ہونے کے ساتھ مفتاح العلوم کے طالب علم اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد بھی ہیں اور آپ کی معاملہ فہمی، دور اندیشی اور علم و عمل کے مداح بھی،

---

[1] مستقل سوانح حیات انشاء اللہ جلد ہی مرتب ہو گی (م)

(۵)

انجمن اصلاح اللسان مفتاح العلوم مئو اور نعمانی اکیڈمی مئو، دونوں ہمارے دلی شکریہ کی مستحق ہے کہ اول الذکر نے مضامین کی فراہمی میں جدوجہد کی اور ثانی الذکر نے مالی سرمایہ بہم پہنچاتے ہیں۔

یہ واقعہ ہے کہ اگر برادر عزیز مولانا ممتاز احمد مفتاحی (جن کو حضرت الاستاذ مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ سے غیر معمولی تعلق ہے)، سرمایہ کے فراہم کرنے میں سرگرمی سے حصہ نہیں لیتے تو اس تذکرہ کا کاغذ کی اس ہوشربا گرانی میں چھپنا دشوار ہو جاتا۔

نعمانی اکیڈمی کا قیام مفتاح العلوم مئو اور اس کے علماء کی علمی، دینی اور دوسری خدمات سے ملک و ملت کو روشناس کرنے کے لئے عمل میں آیا ہے، اس کمیٹی کے موجودہ ارکان یہ ہیں۔

(۱) اسرار الحق مفتاحی (۲) نیاز احمد مفتاحی (۳) اظہار الحق مفتاحی (۴) ممتاز احمد مفتاحی (۵) احمد اللہ قاسمی (۶) حاجی محمد علی (۷) حاجی عبدالرؤف (۸) جناب عبدالسلام (۹) جناب قمر الزماں (۱۰) جناب نذیر احمد

سچ پوچھئے تو یہ سب مادر علمی مفتاح العلوم اور اس کے علماء (محدث العصر حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ اور شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف النعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیض ہے، جس نے ہمارے دینی، علمی اور سیاسی حوصلوں کو توانائی بخشی ہے اور ہم کسی لائق ہو سکے ہیں، حضرت مولانا نعمانیؒ کے ظاہری سایہ سے ہم محروم ہو چکے ہیں، دعا ہے رب العالمین ہمارے سروں پر مفتاح العلوم اور اس کے سرپرست حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کا سایۂ عاطفت تا دیر قائم رکھے، کہ سرپرست مدظلہ اس وقت ایشیا میں علم حدیث کے مایہ ناز محقق اور جید استاذ ہیں اور مفتاح العلوم ہندوستان میں علوم دینیہ کی ایک عظیم درسگاہ،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔

طالبِ دعا:۔ محمد ظفیر الدین مفتاحی
مرتب فتاوی دار العلوم۔ دیوبند

۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ

مولانا عبداللطیف نعمانی
کے
سوانح حیات کا ایک باب

(از:۔ محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مد ظلہ اعظمی)
سرپرست و شیخ الحدیث مفتاح العلوم مئو

مولانا عبداللطیف نعمانی مجھ سے عمر میں تقریباً ایک سال چھوٹے تھے، وہ روزانہ امام گنج سے دو میل پیدل چل کر پڑھنے کے لئے مئو آتے تھے، اسی زمانہ میں میری جان پہچان اور دوستانہ تعلقات شروع ہوئے، زیادہ ربط ضبط دیوبند جانے کے بعد پیدا ہوا۔

۱۹۱۶ء میں مولوی عبدالحیٔ مرحوم مولوی فاروق، مولوی عبداللطیف اور میں نے ملا کا امتحان دینے کے لئے اس کا کورس پڑھنا شروع کیا، مگر چند ہی دنوں میں ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ کر میں حضرت مولانا عبدالغفار صاحب عراقی مئوی کے ساتھ گورکھپور چلا گیا، اور اپنے مناسب حال درس نظامی کی کتابوں میں شریک ہو گیا۔

۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء کو مولوی فاروق نے مجھے گورکھپور کے پتہ پر لکھا کہ

"ہم لوگ اس وقت بی، اے کورس پڑھ رہے ہیں، کافیہ، شافیہ ختم ہو گئی ہے، ہم لوگوں کا امتحان یکم مارچ ۱۹۱۷ء بروز جمعہ شروع ہو گا، خدا سے دعا کیجئے کہ ہم لوگ ملا کے امتحان میں کامیاب ہو جائیں"

مولوی عبداللطیف مرحوم نے بھی مولوی فاروق	مولانا نعمانی دارالعلوم دیوبند میں

کے ساتھ ۱۹۱۷ء میں ملا کا امتحان دیا، میں نے اس سال ملا کا کورس نہیں پڑھا لیکن جب

گورکھپور سے دغالباً ۱۹۱۷ء کے اواخر میں مولانا عبدالغفار صاحب بنارس منتقل ہوگئے، تو میں بھی ان کی خدمت میں پہنچا اور مدرسہ مظہرالعلوم سے ۱۹۱۸ء میں ملا کا اور مارچ ۱۹۱۹ء میں ملا فاضل کا امتحان دیا۔

شوال ۱۳۳۷ھ غالباً جولائی ۱۹۱۹ء میں، میں نے دارالعلوم دیوبند میں پہلی دفعہ داخلہ لیا، اسی سال مولوی عبداللطیف بھی دیوبند گئے تھے، مگر وہ میرے بعد پہنچے تھے، ان کا داخلہ ہوگیا تھا، اسباق ہورہے تھے کہ مدرسہ میں فصلی بیماری پھوٹ پڑی، اور مولوی عبداللطیف اور ان کے رفقاء مولوی عبدالحیؒ و مولوی فاروق تینوں زد میں آگئے، مجبوراً تینوں کو گھر واپس ہونا پڑا، مولوی عبدالحیؒ مرحوم نے ۱۰ر محرم ۱۳۳۸ھ کو مجھے مئو سے خط لکھا۔

"۱۰ر محرم دوشنبہ کی شب کو ہم لوگ بخیریت تمام مئو پہنچ گئے ....
مرادآباد میں مولوی فاروق کو بخار اور لرزہ آگیا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد جاتا رہا، مولوی عبداللطیف کو بھی اکثر اوقات بخار اور درد سر رہا، لیکن بفضلہ لرزہ وغیرہ سے محفوظ رہے اور خیریت کے ساتھ مکان پہنچ گئے، شاہ گنج سے گاڑی چھوٹنے کے بعد ہم لوگ کسی قدر غفلت کی نیند سو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولوی عبداللطیف کی چھتری جاتی رہی"

اسی طرح کا خط مولوی فاروق نے بھی لکھا ان کا خط ۱۰ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو پہنچا تھا۔
اور خود مولوی عبداللطیف نے ایک خط ۱۱ر محرم ۳۸ھ کو، دوسرا ۱۵ر محرم ۳۸ھ کو لکھا پہلے خط میں لکھتے ہیں۔

"محبی مولوی ...... صاحب السلام علیکم، بخیریت تمام مکان پہنچا، امید ہے عنقریب صحت ہوجائے گی، وہاں صراحی رہ گئی، مہربانی فرماکر حفاظت سے رکھئے گا اور اگر ہوسکے تو روانہ کردیجئے، میں محصول آپ کے والد صاحب کو دیدوں گا"

اور دوسرے خط میں لکھتے ہیں۔

"مشفقم جناب .... صاحب السلام علیکم! ایک خط اس

کے پہلے بھی روانہ کرچکا ہوں، وہاں تاریخ المنوال بھی چھوٹ گئی ہے، حفاظت سے رکھئے گا، اب تک میری طبیعت صاف نہیں ہوئی ہے، اور دوسرے لوگ (مولوی عبدالحیؒ و مولوی فاروق) کا بُعد کی وجہ سے کچھ پتہ نہیں۔"

اس سال بیماری کا بہت زور تھا، ان لوگوں کے جانے کے ایک ماہ بعد میں بھی سخت بخار میں مبتلا ہوا، میری حالت تشویشناک دیکھ کر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مہتمم (دارالعلوم دیوبند) نے مولوی یعقوب سکروری کے ساتھ مجھے بھی گھر بھیج دیا، کرایہ کے پیسے پاس میں نہیں تھے تو مہتمم صاحب نے دفتر سے قرض دلوادیا، جس کو آنے کے بعد والد صاحب نے ادا کیا، مولوی مبین کوئریا پاری مرحوم نے ۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو مجھے خط لکھا کہ

"آپ کی علالت کی خبر سن کر گونہ تعلق ہے، خداوند تعالیٰ صحت کلی عطا فرمائے، کئی ہفتہ ہو رہا ہے کہ آپ کا منی آرڈر مبلغ دس روپے کا مولوی ایوب کے نام آیا تھا، وصول کر کے دفتر میں داخل کر دیا آپ اطمینان رکھئے۔"

اور ۱۲ر ربیع الاول ۱۳۳۸ھ کو مولانا بخشش احمد کوئریا پاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"مکرمی جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب السلام علیکم، تعجب ہے آپ کی علالت کا سلسلہ اب تک چلا جاتا ہے، اگر تکلیف گوارا فرما کر حالات مزاج سے گاہے گاہے مطلع فرماتے رہیں تو نوازش ہوگی، آپ کے روپیہ کے متعلق تو عزیزم مولوی مبین نے تحریر ہی کر دیا ہے۔"

دوسرے سال دیوبند میں حاضری بیماری کی وجہ سے اور اسی لئے کہ میں نے فروری ۱۹۲۰ء میں مدرسہ مظہر العلوم بنارس میں پڑھانے کے لئے ۱۰ ماہوار اور کھانے پر ملازمت کرلی تھی، (اس وقت مدرس سوم عربی کی تنخواہ پندرہ روپے

خشک ہوا کرتی تھی)۔

شوال ۱۳۳۸ھ میں دیوبند نہیں جا سکا، جب شوال ۱۳۳۹ھ میں دوبارہ میں نے دیوبند جاکر دورۂ حدیث میں شرکت کی، تو اس سال بھی مولانا عبداللطیفؒ دیوبند پہنچے لیکن بعض کینہ پرور اشخاص کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے ان کو ایک مہینہ کے اندر ہی دیوبند چھوڑنا پڑا، اور بادل ناخواستہ مینڈو چلے گئے، مینڈو پہنچ کر انھوں نے، ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو مجھے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"اصدق الخلان جناب مولوی حبیب الرحمٰن صاحب، السلام علیکم،
گذارش ہے کہ جیسے دیوبند سے چلا تھا ویسے ہی مینڈو پہنچا، اب تک مولوی کابلی صاحب بیمار ہیں، امید ہے کہ سنیچر تک اسباق شروع ہو جائیں گے ترمذی شریف ہو رہی ہے، ابھی طبیعت اچھی طرح نہیں لگی، دعا کرو، مولوی عبدالحئی وغیرہ آگئے ہیں اور اس وقت یہاں ۱۳ اعظم گڈھی موجود ہیں،
محمد عبداللطیف اعظمی"

مینڈو سے دارالعلوم مئو

یہ خط ۱۵؍جولائی ۱۹۲۱ء کو دیوبند پہنچا تھا، اس سے پہلے پانچ ذیقعدہ ۱۳۳۹ھ کو مولوی فاروق نے لکھا تھا۔

"مولوی عبداللطیف مع الخیر مینڈو حاضر ہوئے۔
مناسب ہے کہ دیگر اعظم گڈھی طلبہ سے اتحاد و اتفاق پیدا کریں اور فراق یاراں کا خیال دل میں نہ لائیں اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ دورہ میں خوب محنت کریں، مسلم، بخاری شریف، ترمذی شریف دیوبند میں بہت عمدہ ہو رہی ہیں، زہے خوش نصیبی آپ کی"

یہ خط ۱۲؍جولائی ۲۱ء کو دیوبند پہنچا تھا، اس کے بعد ۲؍اگست ۱۹۲۱ء کو مولوی فاروق نے اچانک یہ اطلاع دی کہ۔

"چونکہ مدرسہ ہذا کی تعلیمی حالت بہ نسبت سنوات گذشتہ خراب اور ردی ہے، اسی وجہ سے مولوی عبداللطیف صاحب کل دوشنبہ کی

رات کو مئو مدرسہ دارالعلوم میں پڑھنے کے خیال سے چلے گئے، اور ابھی ہم
لوگ یہاں سے کوچ کرنے کو باقی ہیں، ہم لوگوں کو خاں صاحب
دامیر شاہ خاں صاحب، نے یہ رائے دی ہے کہ تم لوگ دیو بند چلے جاؤ،
میں سفارشی رقعہ لکھ دوں گا تو انشاء اللہ داخلہ ہو جائے گا، آپ سے
مشورۃً یہ دریافت کرتا ہوں کہ مئو جانا مناسب ہوگا یا دیو بند میں ؟
امید کہ آپ اپنی رائے عالی سے بہت جلد آگاہ فرماویں گے "

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مولوی عبداللطیف صاحب بینڈو میں شاید ایک مہینہ بھی نہیں ٹکے، مئو پہنچ کر وہ دارالعلوم میں داخل ہو گئے، اس کے بعد بہت دنوں تک انھوں نے مجھے کوئی خط نہیں لکھا، میں نے ان کو خط لکھا ہوگا۔ اور بیوفائی کا شکوہ کیا ہوگا تو تقریباً پونے دو مہینے کے بعد انھوں نے ۲۴/ستمبر ۱۹۲۱ء (۲۱ محرم ۱۳۴۰ھ) کو مجھے ایک دردانگیز خط لکھا جو حسرت و رنج ناکامی کا مرقع تھا، لکھتے ہیں۔

"از مدرسہ دارالعلوم مئو

حبی الصدوق ! السلام علیکم

دور دراز سفر کی تکالیف برداشت کرکے اپنے مرکز پر ناکام واپس آنے کے بعد جن خلاف توقع صدمات اور خلاف امید بے چینیوں سے سامنا کرنا پڑا داور جنھیں ذکر کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔) انھوں نے موقع ہی نہ دیا کہ ان کی طرف سے خیال ہٹا کر دامن وفا کے داغوں کو چھڑانے کی کوشش کی جائے "

مولانا عبداللطیف نے بینڈو ہی میں مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ سے جلالین کا کچھ حصہ پڑھا تھا، اور اس سے پہلے دارالعلوم مئو میں جلالین کے چند اسباق انھوں نے مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی سے پڑھے تھے،

تحریک آزادی کا ہنگامہ ۱۳۳۹ھ اور ۱۳۴۰ھ کا زمانہ بڑا ہنگامہ خیز زمانہ تھا، تحریک ترک موالات بہت شدت اختیار کر چکی تھی، دوسرے شہروں کی طرح دیو بند میں

بھی جلسوں میں طلباء کے سروں سے بدیسی کپڑے کی ٹوپیاں اتاری اور جلائی جاتی تھیں انھیں ایام میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ دیوبند میں گرفتار ہوئے عصر کے بعد "دوش" آئی، مگر ایسا ہنگامہ بپا ہوا، اور آدمیوں کا اتنا ہجوم وازدحام ہوا کہ اس وقت گرفتاری عمل میں نہ آسکی، مولانا مرحوم کا قیام حضرت شیخ الہندؒ کے نئے مکان میں اور میرا اور میرے چند ساتھیوں کا قیام حضرت شیخ الہندؒ کے پرانے مکان میں تھا، مولانا کے ساتھ ساتھ ہم سب رات بھر پولیس اور فوج کے گھیرے میں رہے، اس دن ہم بہت دیر میں سوئے تھے، صبح کو اٹھے تو معلوم ہوا کہ بہت رات گئے نئے مکان سے مولانا کو گرفتار کر کے لے گئے۔

ان حالات سے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت مشوش اور پریشان تھے، چاہتے تھے کہ وطن واپس ہو جاؤں، اسی اثناء میں مجھے اس سال بھی بخار آگیا، والد صاحب نے اطلاع ملتے ہی لکھ بھیجا کہ تم مہتمم صاحب سے رخصت لے کر مکان چلے آؤ، چنانچہ صفر یا ربیع الاول ۱۳۴۰ھ میں، میں مئو چلا آیا۔

مولانا نعمانی کی فراغت صحت یابی کے بعد اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ دارالعلوم مئو میں دورے کی کتابیں تمام کرلوں، خوش قسمتی سے مولانا کریم بخش صاحب سنبھلیؒ دارالعلوم مئو میں تشریف لا چکے تھے، اور ان کے پاس ہمارے صرف ایک رفیق مولوی عبدالمجید صاحب دورہ پڑھ رہے تھے، میں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا، شعبان ۱۳۴۰ھ میں دورہ حدیث ختم ہوا، اور شوال ۱۳۴۰ھ میں بصیغہ مدرسی وہیں میرا تقرر ہو گیا۔

اب اس سال مولانا عبداللطیف صاحبؒ کا دورہ تھا، جب وہ شعبان ۱۳۴۱ھ میں فارغ ہوئے تو میں نے مولانا عبدالمجید صاحب ناظم دارالعلوم (مئو) سے کہہ سن کر ان کا تقرر بھی کرا لیا، اس وقت سے ۱۳۶۹ھ تک میرا ان کا برابر ساتھ رہا۔ ہم دونوں ساتھ ساتھ درس وتدریس، وعظ وتذکیر، اور بحث ومناظرہ کی خدمت انجام دیتے رہے، درمیان میں صرف چند سال جب کہ میں مظہر العلوم بنارس میں صدر مدرس

ہوگیا تھا، وہ مجھ سے اور میں ان سے جدا رہا۔

مولانا نعمانی مفتاح العلوم میں دارالعلوم مئو سے مستعفی ہوکر میں بنارس چلا گیا اور میری علیحدگی کے (غالباً) دو سال بعد مولانا عبداللطیفؒ بھی دارالعلوم مئو سے سبکدوش ہوکر سنبھل چلے گئے، جب میں بنارس چھوڑکر مئو آیا تو مولانا ابوالحسن صاحبؒ نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور مجھے باصرار تمام مفتاح العلوم میں لاکر بیٹھا دیا، دو ماہ کے بعد مولانا عبداللطیف صاحب عید اضحی کی تعطیل میں مئو آئے تو میں نے ان کو بھی روک لیا، مفتاح العلوم جو چراغ سحری ہو رہا تھا، اس کو اس طرح حیات نو ملی اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد مولانا ایوب صاحب کو دیوریا سے بلاکر نظامت کا عہدہ ان کو تفویض کر دیا گیا۔

زمانہ کروٹیں لیتا رہا اور مفتاح العلوم سال بسال ترقی کرتا رہا، مختلف اوقات اور حالات میں ہم تینوں نے مدرسہ کی صدارت اور نظامت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا۔

مولانا نعمانی منصب صدارت پر بالآخر غالباً ۱۳۶۹ھ میں مختلف اسباب کی بناء پر میں نے علیحدگی اختیار کرلی، جس کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ میرے پیش نظر بعض بہت ہی اہم تصنیفی خدمتیں تھیں، جن کے لئے کامل یکسوئی درکار تھی۔

اس کے بعد لازمی طور پر صدارت تدریس کی ذمہ داری مولانا عبداللطیفؒ کے سر آئی، جس کو انھوں نے حسن وخوبی سے انجام دیا، مگر جب وہ یوپی اسمبلی کے ممبر چن لئے گئے تو مولانا محمد ایوب صاحب نے تعلیمی اور انتظامی دونوں ذمہ داریوں کو سنبھالا، اور دونوں کو خوبصورتی کے ساتھ نبایا۔

ممبری کی مدت ختم ہونے کے بعد جب مولانا عبداللطیف صاحب نے دوبارہ مدرسہ میں آنا چاہا تو اس وقت ان میں اور مولانا ایوب صاحب میں تھوڑی نااتفاقی اور بدمزگی پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں مولانا ایوب صاحب نے مدرسہ چھوڑ دیا۔ اور کچھ دنوں کے بعد مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل میں شیخ الحدیث کا عہدہ قبول کرلیا۔

مولانا نعمانی کے شب و روز مفتاح العلوم میں | مختصر یہ کہ مولانا ایوب کی علیحدگی کے بعد سے اپنی حیات کے آخر لمحہ تک مولانا عبداللطیف دونوں ذمہ داریاں سنبھالے رہے، اہلیہ محترمہ کا انتقال ہو چکا تھا، اور بچے سب بڑے بڑے ہو چکے تھے، اور اکثر کام سے بھی لگ چکے تھے، اس لئے گھر کی فکر نہ تھی، صرف مدرسہ کی فکر تھی اور دوسری ذمہ داریوں کے ساتھ رات کو طلباء کی نگرانی کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی تھی، اس لئے شب و روز مدرسہ ہی میں رہتے تھے، مدرسہ ہی میں سوتے تھے، صرف جمعہ جمعہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے گھر امام گنج جاتے تھے۔

علمی اور تعلیمی کاموں کے ساتھ ساتھ مقامی اور ملکی سیاست میں بھی ان کا بڑا حصہ تھا، مگر میرا ان کا ساتھ سیاسی میدان میں نہیں تھا، باوجودیکہ چند باتوں کے استثناء کے بعد میرا اور ان کا سیاسی مسلک ایک تھا۔

میدان مناظرہ میں | میرا ان کا ساتھ صرف مسجد و مدرسہ اور نجی مجلسوں تک محدود نہ تھا، تبلیغی اور مناظرانہ جلسوں کی شرکت اکثر ایک ہی ساتھ ہوتی تھی، کبھی کبھی دیوبند، دارالمبلغین لکھنؤ اور جمعیۃ علمائے ہند کے جلسوں یا مجلسوں میں شرکت کے لئے میں جاتا تھا تو وہ بھی ساتھ ہو لیتے تھے، اس طرح چھپنؔ، ستاون سال تک ہم آہنگی، یکجہتی اور باہمی مروت و محبت کے ساتھ میری ان کی رفاقت و محبت رہی۔

اختلاف رائے کے مواقع بھی آئے مگر تعلقات خوشگوار ہی رہے بعض موقعوں پر خود غرضوں نے ان کو میرے خلاف بھڑکایا، اور وہ وقتی طور پر فی الجملہ متاثر بھی ہوئے، مگر سامنا ہونے پر انھوں نے اس تاثر کو ظاہر ہونے نہیں دیا۔

مولانا نعمانی کا سفر حیدرآباد | انتقال سے چند روز پہلے مجھ سے بار بار کہتے تھے کہ مسلم پرسنل لا کنونشن میں شرکت کے لئے بمبئی چلنا ہے، جب وقت بالکل قریب آگیا تو انھوں نے مجھ کو ایک رقعہ لکھا کہ۔

"ایک خاص عزیز کی تقریب نکاح میں شرکت کے لئے میرے اعزہ

سخت اصرار کر رہے ہیں، اس لئے میں پہلے حیدر آباد جاؤں گا، اور اب میں آپ سے بمبئی میں ملوں گا، حیدر آباد کا قریب ترین راستہ کونسا ہے؟"

مولانا عبد اللطیف حیدر آباد روانہ ہوئے اور ان کی روانگی کے کئی دن بعد میں بمبئی کے لئے روانہ ہوا، اور راستہ میں مجھے سخت بخار آیا اور مجھے مجبوراً منماڑ اتر کر مالیگاؤں میں رکنا پڑا، بمبئی میں مسلم پرسنل لاکنونشن شروع ہو کر ختم بھی ہو گیا، مگر میرا بخار ختم نہیں ہوا، اس لئے میری شرکت کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔

لوگوں کے خطوط سے معلوم ہوا کہ مولانا بھی شریک نہیں ہو سکے، مجھے کلکتہ بھی جانا تھا، اس لئے بخار اترنے کے بعد براہِ ناگپور کلکتہ چلا گیا۔

مولانا نعمانی کا انتقال

وہاں سے جس دن شام کو میری روانگی تھی، اس دن صبح کو ٹرانک کال کے ذریعہ اچانک یہ جانکاہ خبر ملی کہ مئو میں مولانا عبد اللطیف صاحب انتقال فرما گئے۔

اس خبر کا جو اثر دل و دماغ پر پڑا بیان سے باہر ہے، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اب بنارس جانے والا کوئی پلین نہیں ہے، اس لئے ہم سب دل تھام کر بیٹھ گئے کہ جنازہ میں شرکت تو ناممکن ہے، اب کل قبر ہی کی زیارت کا امکان ہے۔

مئو آنے پر مفصل معلوم ہوا کہ مولانا نے عشار کی نماز کے بعد مطالعہ کیا، دس بجے کے قریب بیت الخلاء گئے اور واپسی میں بے قابو ہو کر بیچ ہی میں نالی میں بیٹھ گئے، اور جب اٹھا کر لائے گئے تو چند ہی منٹ میں روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

مولانا نعمانی کی خوبیاں

ان کی کتاب زندگی کا ورق کیا الٹا پچاس سال کی تاریخ کا آخری باب ختم ہو گیا، مرحوم ایک جید عالم، ایک جری اللسان، ایک قومی و ملی خدمت گذار کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے، زندگی میں ان کی قدر نہیں ہوئی، مگر مرنے کے بعد بہت سے اچھے اچھے لوگوں کو جو عمر بھر ان کو برائیوں سے یاد کرتے رہے ان کی خوبیاں ہی نظر آئیں اور مجبوراً ان کی بھلائیوں کا ان کو اعتراف کرنا پڑا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا نعمانی کا ایک خط | مولانا نعمانی کا ایک خط حضرت مولانا اعظمی کے نام

مولانا المحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں غالباً ۱۰ مئی تک مئو پہنچوں گا، میں آپ کو سہ بارہ بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جانے پر مبارکباد عرض کرتا ہوں۔

میں خود بھی آپ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کرنا چاہتا تھا۔ مگر دشواری یہ ہے کہ میں اب تک روپیہ بچا نہیں سکا، دعا فرمایئے گا کہ اگلے سال اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں۔

آج ہی گرامی نامہ موصول ہوا ہے، انشاء اللہ کل پاٹا نالہ جاکر فاروقی صاحب[1] کو آپ کا حکم پہنچادوں گا، ان شاء اللہ

عبداللطیف نعمانی

کمرہ ۲۲۴ بی بلاک دار الشفاء لکھنؤ۔

---

[1] مولانا عبدالسلام فاروقی مراد ہیں، افسوس ہے کہ ان کا بھی ۱۴ رجب ۱۳۹۳ھ کو حال ہی میں انتقال ہوگیا، اللہ تعالیٰ ان کو جنۃ الفردوس عطا فرمائے۔

ابّا مرحوم

(از :- اظہر نعمانی اے، آئی جی جموں و کشمیر)

والد محترم حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمہ اللہ کی زندگی پر آپ کے احباب اور تلامذہ لکھنے کے لئے بہت ہیں، میرا حال یہ ہے کہ آپ کے علم و فضل اور خدمت سے متعلق کچھ زیادہ لکھ بھی نہیں سکتا، کیونکہ علوم دینیہ سے کوئی لگاؤ نہیں رہا ہے، میری زندگی جدید علوم میں گذری ہے، اس وقت ذاتی حالات و تاثرات کے سلسلہ کی چند سطریں حاضر ہیں،

میرے دادا حافظ عبدالحفیظ صاحب مرحوم دو بھائی تھے، ایک خود آپ اور دوسرے آپ کے چھوٹے بھائی محمد شریف صاحب، دادا مرحوم نے بالکل نوجوانی میں وفات پائی، ہمارے خاندان کے متعلق اب تک یہ بات مشہور چلی آرہی ہے کہ اس خاندان میں جو حافظ ہوتا ہے وہ زیادہ عمر نہیں پاتا، چنانچہ ایک واقعہ خود میرے چھوٹے بھائی ارشد مرحوم کا ہے کہ ابا نے اسے حفظ شروع کرایا، مگر اس کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ بہت جلد چل بسا۔

دادا مرحوم کے انتقال کے وقت ابا مرحوم کی عمر کوئی تین چار سال ہوگی اور پھوپھی مرحومہ کی پیدائش دادا مرحوم کی وفات کے دو تین ماہ بعد ہوئی، گویا دادا مرحوم نے یہ دو اولاد چھوڑی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی، اس طرح ابا مرحوم دونوں بھائی بہن بچپن ہی میں اپنے شفیق باپ کی محبت اور سایہ سے محروم ہوگئے، پرورش اور تعلیم و تربیت کا سارا بار دادی مرحومہ نے اٹھایا جو خود جوانی ہی میں بیوہ ہوچکی تھیں، اور بچوں کی محبت میں کبھی دوسری شادی نہیں کی۔

داغ یتیمی ابا یتیم تھے بظاہر تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا مگر قدرت نے مدد کی اور علوم دینیہ کی تحصیل میں مشغول ہوگئے، حافظہ اور ذہانت و ذکاوت خداداد تھی، ادھر داغ یتیمی نے احساس کو بیدار کردیا تھا، چنانچہ اپنے ساتھیوں میں پڑھنے کے اندر ہمیشہ ممتاز سمجھے گئے، اور دور طالب العلمی سے ہی شہرت شروع ہوگئی، اور شاید یہی نیک نامی اور علمی شہرت کا

نتیجہ تھا کہ میرے نانا مولانا ابوالقاسم محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بڑی صاحبزادی کے رشتہ کے لئے ابا مرحوم کا انتخاب کیا، نانا مرحوم جیدالاستعداد عالم دین تھے، اور عمرآباد (مدراس) میں درس تدریس کے فرائض انجام دیتے تھے، مسلک کے اعتبار سے اہلحدیث تھے، اور ابا مرحوم محقق حنفی، میری نانی مرحومہ مشہور اہلحدیث عالم مولانا ابوالمکارم (م ۱۳۵۲ھ) کی صاحبزادی تھیں۔

ابا نوجوانی میں | ابا مرحوم اپنی نوجوانی میں اہلحدیث علماء سے علمی مناظرے بھی کرتے تھے اور اس میں انھیں کافی شہرت بھی حاصل تھی، کہا جاتا ہے کہ میرے نانا مرحوم چاہتے تھے کہ ابا مرحوم اس سلسلہ کو بند کردیں اور مسلک اہلحدیث قبول کرلیں، مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ اس سلسلہ میں آپ مئو میں حنفیوں کے وکیل بن گئے، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ کے ساتھ مل کر بڑی اہم خدمتیں انجام دیں، جو لوگ مسلک اہلحدیث قبول کرنا چاہتے تھے وہ رک گئے، اور اپنے مسلک میں مضبوط ہوگئے،

ابا مرحوم اور مولانا اعظمی حنفیوں کے بہت بڑے عالم سمجھے جاتے رہے اور موجودہ دور میں ان دونوں کے ٹکر کا عالم مئو میں کیا ہندوستان میں بھی کم ہی لوگوں کو سمجھا جاتا ہے، اور یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات ہزاروں علماء کے استاذ اور استاذالاساتذہ ہیں، اور علمی دنیا میں ان کی قدرومنزلت بہت زیادہ ہے۔

ابا مرحوم کی زندگی کا بڑا حصہ بلکہ کہنا چاہئے پوری زندگی مفتاح العلوم مئو اور باشندگان مئو کی خدمت میں گذری، دین وشریعت اور علم وفن کی بھی خدمت کی اور ملی وملکی جدوجہد میں بھی شریک رہے۔

ابا کی اولاد | اللہ تعالیٰ نے جہاں علم وفضل کی دولت سے ابا مرحوم کو نوازا تھا، اولاد اور اولاد کی اولاد کی نعمت سے بھی بہرور فرمایا، بچپن میں جو بچے گذرگئے انھیں چھوڑ کر اس وقت بھی بحمداللہ ہم سات بھائی اور دو بہنیں زندہ سلامت ہیں اور تقریباً سبھی صاحب اولاد ہیں، یقیناً میری دادی مرحومہ یہ سب دیکھ کر بہت خوش ہوتی ہوں گی، دادی مرحومہ کا انتقال میری پیدائش کے بعد ہوا، اور یہ واضح رہے کہ مجھ سے میرے پانچ بھائی صاحبان بڑے ہیں،

زندہ اولاد کی ترتیب یہ ہے، حبیب الرحمٰن نعمانی ایم، ایل، اے۔ ظہیر حسن مفتاحی محمد نعمانی، ضیاء الرحمٰن نعمانی، محمد انور نعمانی، محمد اظہر نعمانی، زہرہ خاتون، زبیر نعمانی، شکیلہ خاتون

سوائے شکیلہ خاتون کے ہم سب کی شادی ہو چکی ہے، شکیلہ خاتون سلمہا کی شادی ابا مرحوم نہیں کر سکے، اس سال اس کی شادی کا عزم کر چکے تھے، بلکہ سامان بھی ہو چکا تھا کہ دفعۃً ابا مرحوم خدا کو پیارے ہو گئے۔

میرے دو بھائی حبیب الرحمٰن نعمانی اور ظہیر مفتاحی عالم ہیں، بھائی ضیاء الرحمٰن انجینیر، اور میں ایل، ایل، ایم کا ریسرچ اسکالر ہونے کے بعد آئی، پی، ایس کے امتحان میں بیٹھا اور کامیابی حاصل کی، دوسرے بھائیوں نے انگریزی میں بی، اے کیا، اور سب سے چھوٹے بھائی زبیر سلمہ نے بھی عربی ہی پڑھی مگر فراغت سے پہلے ہی مدرسہ چھوڑ دیا، یوں ہم سب بھائیوں نے ابتدا میں مفتاح العلوم میں تھوڑا بہت ضرور پڑھا ہے، اس لئے وہ ہم سب کی مادر علمی ہے اور بہت عزیز ہے۔

تربیت کا طریقہ ابا مرحوم کی ایک بڑی اچھی خصوصیت یہ تھی کہ بیجا ضد اور سختی نہیں فرماتے تھے، بالخصوص تعلیم کے معاملہ میں زیادہ افہام و تفہیم سے کام لیا کرتے تھے، حسب دستور اولاً میرا داخلہ مفتاح العلوم میں ہی ہوا، اور اس کے ابتدائی درجہ میں نمایاں بھی رہا، مگر ایک سال بعد میں نے انگریزی پڑھنے پر اصرار کیا، گھر کے لوگ تیار نہیں تھے، مگر جب ابا مرحوم کو معلوم ہوا تو فرمایا اسکول میں جانے دو، یہ ذہین ہونے کے ساتھ شریر اور کھلاڑی ہے فیل ہو کر خود واپس آجائے گا، پہلے سال ابا مرحوم کی بات درست ہوئی، چھٹے کلاس میں فیل ہو گیا، مگر ضد تھی، چوری چھپے ایک ماسٹر صاحب سے پرائیوٹ پڑھنے لگا اور پھر میرا حال یہ ہوا کہ بہت اچھے نمبر سے کامیاب ہونے لگا، تا آنکہ میٹرک کر لیا۔

کالج کی تعلیم کے لئے میں نے بنارس کا انتخاب کیا، مجھے یاد ہے کہ جب میں نے یہ کہا کہ بنارس کے لئے کسی کو میرے ساتھ کر دیا جائے، تو ابا مرحوم نے فرمایا "یہ غلط ہے، خود جاؤ، اپنے آپ پر اعتماد کرنا سیکھو" اور یہی ہوا۔

ابا مرحوم اپنے بچوں کی خواہ مخواہ پٹائی نہیں کرتے تھے، زندگی میں کبھی ایک آدھ طمانچہ کسی کو لگادیا ہو، مگر با ایں ہمہ ہم سب بھائی ابا سے کانپتے تھے اور آمنے سامنے بات کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی، بی، اے، ایل ایل بی تک خود مجھ پر بڑا رعب طاری تھا، اور کبھی بات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی، لکھنؤ میں جب چار سال ساتھ رہنا ہوا تو جاکر جرأت ہوئی۔

شفارس سے اجتناب ایل، ایل، ایم میں جب داخلہ کا وقت آیا تو میں نے ابا مرحوم سے عرض کیا کہ شفارس فرمادیں، سختی سے انکار کردیا، فرمایا "یہ کمزوری کی بات ہے، خود یہ مرحلہ طے کرو"، چنانچہ میں نے یہی کیا، بیشک ابا مرحوم کے نام سے میں نے فائدہ اٹھایا، مگر مجھے یاد نہیں ابا مرحوم نے کبھی تعلیمی زندگی میں کوئی شفارش کی ہو، وہ جیسا کہ عرض کیا اس کے سخت مخالف تھے، اخیر میں آئی، پی، ایس میں بطور خود بیٹھا اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی بھی عطا کی، اب میرے سامنے تین نوکریاں تھیں، ایک دہلی میں لیکچرر کی جگہ تھی، دوسرے انڈین لا انسٹیوٹ دہلی میں ایک جگہ تھی اور تیسری جگہ محکمہ پولیس میں تھی، میں ابا مرحوم سے مشورہ کرنے آیا کہ کسے اختیار کروں، محبت سے فرمایا "اس سلسلہ میں خود تمہارا فیصلہ بہتر رہے گا، اپنا رجحان دیکھو، جدھر ہو اسے اختیار کرو"۔

زریں نصیحتیں مگر اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی فرمایا "اتنا یاد رکھو اور خوب اچھی طرح ذہن نشین کرلو کہ مقصد بالذات نوکری ہرگز نہ ہو، بلکہ مقصد قوم وملت اور ملک کی خدمت ہو، چنانچہ میں نے پولیس کی نوکری کرلی، جب میں نوکری کے سلسلہ میں ۱۹۶۵ء میں مسوری جانے لگا تو اس وقت کچھ بنیادی نصیحتیں فرمائیں، اور فرمایا انھیں ہمیشہ یاد رکھنا، فرمایا۔

(۱) جہاں بھی رہو اور جو بھی کام کرو، اس میں ایمانداری سے سرمو انحراف نہ کرنا اسے میرا وعظ نہ سمجھنا بلکہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے، جسے ساری دنیا تسلیم کرتی ہے۔

(۲) ہمیشہ اپنی محنت اور خدا پر بھروسہ کرنا، چاپلوسی اور خوشامد پر نہ تکیہ کرنا اور

نہ اسے اختیار کرنا۔

(۳) کوئی بھی کام کرتے وقت یہ پیش نظر رکھنا کہ اس سے تمہارے خاندان کا نام اونچا رہے گا یا نیچا ہوگا، معیار سے ہرگز نہ گرنا۔

(۴) اللہ تعالیٰ جب بڑا عہدہ دے تو اس کو ہرگز نہ بھولنا کہ تم مڈل کلاس کے خاندان کے چشم و چراغ ہو، اپنی اس اصلیت پر قائم رہنا، اور اعلیٰ افسر ہو جانے کے بعد اپنے اسی مسلک پر گامزن رہنا۔

(۵) اسے بھی یاد رکھنا کہ تمہاری تعلیم میں تمہارے بھائیوں کا بڑا حصہ ہے، لہٰذا ان کا ہر موقع سے پورا پورا لحاظ و پاس کرنا اور گھر کی دیکھ بھال کو اپنا فرض سمجھنا، رہ گیا میں، تو مجھے تم سے کچھ نہیں چاہئے، میرے لئے میرا مدرسہ اور میری محنت کافی ہے، باقی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

خدا کا شکر ہے ابا مرحوم کی یہ ساری نصیحتیں اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہیں اور بڑی حد تک ان پر عمل بھی ہے، بڑائی کی بیماری میں کبھی مبتلا نہیں ہوا، سبھوں سے دوست کی طرح ملتا ہوں اور جو خود اعتمادی پیدا کی تھی وہ بھی حاصل ہے۔

لکھنؤ میں جب ابا مرحوم یوپی اسمبلی کے ممبر تھے، مجھے چار سال تک ساتھ رہنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ مجھے اپنا کام کرتے ہوئے ذرا بھی جھجھک نہیں ہوتی ہے، میں دراصل اسی زمانہ میں ابا کے نظریات و خیالات سے پورے طور پر واقف ہوا، چنانچہ اب میں کسی موضوع پر ابا مرحوم سے گفتگو کرتا تھا تو مدلّل بولتا تھا، ابا مرحوم ذرا بھی برا نہیں مانتے تھے، بلکہ بغور سنتے اور خوش ہوتے تھے اور جہاں کوئی خامی دیکھتے اس کی اصلاح فرما دیا کرتے۔

ابا مرحوم فرماتے تھے "غلطی پر پہلے ہی مرحلے میں پٹائی کر دینا دانشمندی نہیں ہے بلکہ بچے کو سمجھانا چاہئے کہ اس میں تمہارا یہ نقصان ہے"۔ مجھے یاد ہے بچپن میں ایک دن تیز دھوپ میں کھیل کر میں جب گھر میں داخل ہوا، تو مجھے میرے ایک بڑے بھائی نے ایک طمانچہ لگا دیا۔ ابا نے دیکھ لیا، بھائی جان پر خفا ہوئے اور فرمایا "تم کو سمجھانا

چاہئے تھا، پہلے ہی مرحلے میں مارنا مناسب نہیں تھا"

میری یہ خوش بختی ہے کہ بچپن سے آج تک میں کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا، اور یہ بلاشبہ ابّا کی تعلیم کا ہی نتیجہ ہے، جو کہا صاف کہا اور برجستہ اور برملا کہا۔

ابا مرحوم کا جس رات میں انتقال ہوا اس دن بھی دوپہر میں مسلم پرسنل لا، پر دیر تک ان سے گفتگو کرتا رہا اور وہ بڑی سنجیدگی اور متانت سے جواب دیتے رہے اور مسائل کی نوعیت سمجھاتے رہے۔

ایک عجیب واقعہ میرا بچہ اطہر نعمانی سلمہ پونے دو سال کا ہے۔ ابا وفات سے دو دن پہلے گھر میں آئے تو اسے پیار سے بلایا کہ آجا، وہ ابا کے گود میں نہیں گیا، ہنس کر فرمانے لگے "اب یہ میرے پاس کبھی نہیں آئے گا"، مگر کسی کو وہم بھی نہیں تھا کہ یہ جملہ زبان پر مستقبل کی خبر کے طور پر آیا ہے۔

وفات کے دن کچھ اور بھی اس طرح کی باتیں پیش آئیں، جن میں رخصت ہونے کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا، غالباً غیر شعوری طور پر جو بات پیش آنے والی تھی، اس کے اشارے کنائے زبان پر آئے۔ اماں مرحومہ چھ سات سال پہلے ہی جدائی کا داغ دے چکی تھیں، اب ابا کا سایہ بھی ہم سب کے سر سے اٹھ گیا، دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کے صدقے میں ہم سب کو خوش و خرم رکھے، اور انھیں اپنی بے پناہ رحمتوں سے نوازے اور آئندہ ہم سب کو ایمان و ایقان کی دولت کے ساتھ راہ راست پر باقی رکھے۔ آمین یا رب العالمین۔

جامع کمالات شخصیت

(از:- مولوی ظہیر حسن مفتاحی جمالپورہ مئو)

وطن | حضرۃ العلامہ الحاج مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہ کا آبائی وطن امام گنج ضلع اعظم گڈھ ہے جو مئو ناتھ بھنجن کی آبادی سے ملحق ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد کئی پشت پہلے تحصیل گھوسی سے یہاں آکر آباد ہوئے اور پھر مستقل طور پر اسی کو اپنا وطن بنالیا، آگے چل کر اس خاندان نے اس قدر علمی وعملی ترقی کی کہ یہاں کا خار وطن ان کے لئے ملک سلیمان سے بہتر بن گیا، اور یہاں عزت وشوکت اور سیادت وقیادت، مولانا نعمانی میں سمٹ کر آگئی۔ اسے سوائے خدا کی دین کے اور کیا کہا جا سکتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ولادت وطفولیت | حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ موضع امام گنج کے ایک معزز گھرانے میں بتاریخ ۹ ر فروری ۱۸۹۸ء مطابق ۷ ر رمضان ۱۳۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم کا نام حافظ عبدالحفیظ تھا، جو اپنے وقت کے جید حافظ قرآن تھے خاندان کا یہ چشم وچراغ بڑی ہی امیدوں اور تمناؤں کے بعد وجود میں آیا تھا، اس لئے اس گل تازہ کی شگفتگی نے پورے گھر کو معطر کردیا فطری طور پر خاندان کے تمام لوگوں کو اس بچے کی ولادت پر بے انتہا خوشی ہوئی۔ لیکن اس وقت گھر والوں کے خواب وخیال میں بھی وہ خوشی نہیں تھی، جو بعد میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ حصہ میں آئی۔

لہو ولعب سے اجتناب | لڑکپن کا زمانہ عموماً لہو ولعب اور غلط قسم کے کھیل اور تماشوں میں گذرتا ہے، لیکن مولانا کے بچپن کا زمانہ سیر سپاٹے اور کھیل کود کی لغویات سے بڑی

حد تک پاک رہا، البتہ کبڈی اور بنوٹ اور اکھاڑے کے شوقین ضرور تھے۔

ابتدائی تعلیم | کسی قدر شعور آنے کے بعد آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا، اور آپ نے مدرسہ عالیہ جمال پورہ مئو میں قواعد بغدادی، پارہ عم اور پھر قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی، اس وقت مدرسہ عالیہ میں ناظرہ قرآن سے اونچی تعلیم کا کوئی خاص نظم نہ تھا، اس لئے غور وفکر کے بعد یہ طے ہوا کہ آپ کو مدرسہ دارالعلوم مئو بھیج دیا جائے، جو امام گنج سے ایک ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔

عربی وفارسی کی تعلیم | کم سنی ہی میں ناظرہ کی تکمیل کر لینے پر گھر کے لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ لڑکا بہت ذہین ہونہار اور تابناک مستقبل والا ہے، اگر اس کو کسی عربی مدرسہ میں داخل کر دیا جائے تو پڑھ کر ایک اچھا عالم دین ہو سکتا ہے،

چنانچہ آپ کو مدرسہ دارالعلوم مئو میں داخل کر دیا گیا، اب یہاں باضابطہ آپ نے درس نظامیہ کی تعلیم شروع کی، اردو، فارسی کی منزلوں کو جلد ہی طے کر کے عربی تعلیم میں قدم رکھا، اس میدان میں بھی آپ کے جوہر خوب چمکے، ذہانت وطباعی اس درجہ کی تھی کہ استاذ کی تقریر سے پہلے ہی اپنے مطالعہ سے اکثر مقامات حل کر لیتے تھے، جو زیادہ مشکل بحثیں ہوتیں وہ دورانِ سبق اساتذ کی تقریر سے ذہن نشیں ہو جاتیں۔

اس طرح آپ نے اپنے ہم سبق ساتھیوں اور اساتذہ کرام کے دلوں پر اپنی محنت، خوش خلقی، اور ذہانت کا سکہ بٹھا دیا، دوسرے طلبہ سیر سپاٹے اور تفریح کو بھی ادھر اُدھر چلے جاتے، لیکن آپ ہمیشہ خاموشی کے ساتھ اپنے بیشتر اوقات مطالعہ وکتب بینی میں صرف فرماتے۔

فراغت | وقت گذرتے دیر نہیں لگتی، اب وہ وقت سعید آپہنچا کہ فنون کی جملہ مروجہ کتب ختم ہو چکیں، اور دورۂ حدیث کی کتابیں پڑھنے کا وقت آگیا، اس وقت حضرۃ العلامہ مولانا کریم بخش صاحب سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم مئو کے صدر المدرسین تھے اور دورہ کی کتابیں وہی پڑھاتے تھے، چنانچہ آپ بھی بخاری شریف کی جماعت میں شریک ہو گئے اور اپنی محنت وذہانت کی وجہ سے شرکاء درس کے رئیس وامیر جماعت

شمار کئے جانے لگے، بالآخر ختم بخاری کی مبارک ساعت آپہنچی، شعبان ۱۳۴۰ھ میں درس نظامیہ کی تکمیل سے فراغت حاصل کی، اور اس طرح خاندان والوں کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی، گویا پچیس برس کی عمر میں آپ سارے علوم وفنون حاصل کر کے ایک زبردست عالم اور جامع کمالات فاضل بن گئے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

درس وتدریس شوال ۱۳۴۰ھ میں آپ کا مدرسہ دار العلوم مئو میں بحیثیت مدرس عربی تقرر ہوگیا، اور اسی سال سے آپ درس نظامیہ کی اعلیٰ کتابیں پڑھانے لگے، مثلاً میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ اور میرزاہد رسالہ مع غلام یحییٰ وغیرہ، لیکن کچھ ناساز حالات کی وجہ سے مولانا نعمانی کو مدرسہ دار العلوم سے مستعفی ہونا پڑا، شوال ۱۳۴۶ھ میں آپ سنبھل ضلع مراد آباد کے ایک مدرسہ میں بلائے گئے، جب ۱۳۴۷ھ میں مفتاح العلوم کی دوبارہ داغ بیل ڈالی گئی تو آپ اس وقت سے تادم آخر مفتاح العلوم میں مدرس رہے، ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک آپ نائب صدر رہے، پھر علامۂ کبیر محدث شہیر حضرت الحاج مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی متعنا اللہ بطول بقائہ کے مستعفی ہوجانے کے بعد آپ صدر مدرس اور شیخ الحدیث منتخب ہوئے اور تادم آخر اس عہدے پر فائز رہے۔

تصانیف تدریس کی انتہائی مصروفیتوں کے باوجود آپ مصنف بھی تھے، مگر افسوس کہ آپ کی تصنیف کردہ کوئی بھی کتاب زیور طبع سے آراستہ نہ ہوسکی، جس کا آخر عمر تک خود مولانا مرحوم کو بھی افسوس تھا، ایک روز دوران گفتگو مولانا مرحوم سے معلوم ہوا کہ آپ نے مولانا ثناء اللہ امرتسری کے "فقہ فقیہ" کے جواب میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جو کافی ضخیم تھی، مگر مدت مدید گذر جانے کی وجہ سے کیڑوں نے کھا کر ختم کردیا، پھر غالباً تصنیف کی نوبت نہیں آئی، البتہ مقالہ نگاری میں جم کر حصہ لیا چنانچہ آج بھی رسالہ "العدل گوجرانوالہ" کے پرانے فائل میں مولانا مرحوم کے عالمانہ مضامین دیکھے جاسکتے ہیں۔

میدان مناظرہ مناظر کی حیثیت سے بھی مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کافی ممتاز تھی یوں تو آپ نے سینکڑوں مناظرے کئے اور سب میں بفضل خدا کامیاب رہے۔ مگر مشہور اور معروف مناظرہ موضع بھنان ضلع بستی کا ہے، اس کی صحیح تفصیل وہی لوگ بیان کر سکتے ہیں جو اس مناظرہ میں موجود تھے۔

خطابت ان تمام کمالات کے ساتھ خطابت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، چونکہ آپ بلند آواز تھے، اس لئے لاؤڈ اسپیکر کی بھی چنداں ضرورت نہیں ہوتی تھی، آواز میں تسلسل اور روانی تھی، اور تقریر شگفتہ اور سلیس ہوتی تھی۔

وعظ بعد نماز جمعہ حضرت مولانا نعمانی کا معمول یہ بھی تھا کہ آپ ہر جمعہ کو بعد نماز جمعہ جامع شاہی کٹرہ میں تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، آپ کے اس معمول میں کبھی کبھی فرق نہیں آیا، اس میں قوم اور تقاضائے وقت کی رعایت کا پورا پورا لحاظ ہوتا، جب تک آپ کا بیان جاری رہتا، تمام حاضرین ہمہ تن گوش بنے پوری ارادت و عقیدت مندی سے سنتے رہتے۔

خوش اخلاقی حدیث شریف میں ہے اَقْرَبُکُمْ اِلَیَّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَحْسَنُکُمْ اَخْلَاقًا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ قریب میری طرف تم میں کا سب سے اچھا اخلاق والا ہوگا۔

مولانا کے اخلاق کریمانہ نہایت ہی عمدہ اور پاکیزہ تھے، ہر ایک شخص سے اس کے رتبہ کے موافق محبت وشفقت اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے تھے، آپ کے پاس بکثرت لوگوں اور ضرورت مند اصحاب کا ہجوم لگا رہتا تھا، کوئی کسی ضرورت کے لئے آیا ہے اور کوئی کسی ضرورت سے، آپ ہر ایک سے اس کی ضرورت دریافت فرماتے اور پھر ہر ایک کی ضرورت مناسب طریقہ سے پوری کرتے تھے، کتنے ہی لوگ ایسے بھی ہوتے جو بے ڈھنگے پن کا مظاہرہ کرتے، جس کی وجہ سے مولانا کبھی خفا بھی ہو جاتے، لیکن آپ کی ناراضگی وخفگی سریع الزوال ہوتی، حلیم وبردبار ایسے تھے کہ اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا کرتے تھے، انتقام کا تصور

کبھی دل میں نہ لاتے تھے، البتہ دین کے معاملات میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے اور بلا جھجک تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔

اصلاح وتبلیغ رشد واصلاح اور ہدایت وتبلیغ تو حضرت کا خاص نصب العین تھا آپ نے مواعظ حسنہ اور مساعی جمیلہ سے اصلاحِ عوام کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ قوم آج تک اس احسان سے گراں بار ہے، اپنے شہر کے علاوہ اطراف وجوانب میں بھی حسبِ ضرورت اصلاح المسلمین کی غرض سے جایا کرتے تھے، معاملات کے تصفیے اور دیگر امور کے لئے برابر ادھر ادھر کوششیں آپ کو لے جانے کے واسطے جاری رہا کرتی تھیں، لیکن آپ کثرت مشاغل وہجوم کار کے پیش نظر بہت کم سفر کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ موضع ڈھیلی جو تحصیل گھوسی سے پورب جانب ۵-۶ میل کے فاصلہ پر ہے، مسلمانوں میں زبردست خانہ جنگی اور شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا، معاملات اتنے سنگین تھے کہ بڑے بڑے عقلاء اس کے سلجھانے میں ناکام ہو گئے، جس قدر اس قضیہ کے تصفیہ کی کوشش کی جاتی بجائے اس کے کہ کم ہوتا اور طول پکڑ جاتا بعض اصلاح پسند مسلمان وہاں سے مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے، صورت حال کی نزاکت بیان کی، اور اس کے فیصلہ کے واسطے آپ کو مدعو کیا۔

بمقتضائے حدیث کہ اصل ایمان مسلمانوں کے درمیان اصلاح کرنا اور آپس کے اختلافات کا مٹانا ہے، آپ نے دعوت منظور فرمائی، وقت معینہ پر تشریف لے گئے، وہاں پہنچ کر مولانا نے فریقین کو طلب کیا، صورت حال کا جائزہ لیا اور دونوں فریق سے چند شرائط پر دستخط لئے، اور پھر اس خوبی سے فیصلہ صادر فرمایا کہ فریقین نے برضا ورغبت آپ کا فیصلہ قبول کیا، اور پھر تمام لوگ آپس میں شیر وشکر بن گئے۔

مولانا کی سیاست وتدبیر نے وہ سماں پیدا کر دیا کہ آن کی آن میں عرصہ دراز کی دیرینہ عداوت کافور ہو گئی اور مدتوں کے بچھڑے ہوئے گلے مل گئے، جو سنتا مولانا کے خلوص اور حسن تدبیر پر انگشت بدنداں رہ جاتا، اس طرح آپ نے کتنے ہی جھگڑے اور اختلافات مٹائے ہوں گے، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

طریقت بجز خدمت خلق نیست ؛ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

عزم واستقلال آپ کے رگ و ریشہ میں عزم و استقلال نے گھر کرلیا تھا. بالفاظ دیگر آپ کی ذات گرامی سے

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم ؛ جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

کا نمونہ کہی جاسکتی ہے، اپنے طے شدہ منصوبے سے سرمو انحراف کرنا آپ کے عزم کے صریح منافی تھا، یہی وجہ تھی کہ ایک دفعہ بعض شر پسندوں نے قتل کرنے کی دھمکی دی تو آپ نے برجستہ فرمایا لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ یعنی موت یقینی ہے، اس سے بڑھ کر اور کونسی خوش قسمتی ہوسکتی ہے کہ اپنے مادر وطن کی اولاد کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں اور مادر گیتی ہی میں میری لاش سپرد خاک کی جائے۔ سہ

لازم ہے انبساط ہر ایک ابتلا کے بعد ؛ صبح وفا ضرور ہے شام جفا کے بعد

مسند درس خوش قسمت ہیں وہ حضرات جنہوں نے آپ کے علم وفضل کا مشاہدہ درس حدیث جاری رہنے کی حالت میں کیا ہے، آپ کو قدرت نے غیر معمولی ذکاوت و ذہانت اور حدیث وفقہ کا بے مثل ملکہ فہم عطا فرمایا تھا، ہر مسئلہ پر آیات قرآنی احادیث پاک، آثار صحابہ، اقوال ائمہ، اور افکار مجتہدین کا مع حوالہ کتب فراہم کردینا آپ کے حافظہ کے قوی ہونے کی دلیل اور بے نظیر محدث ہونے کا ثبوت تھا دلائل کا استقصاء واقعات کی جستجو اور تاریخ اسلام سے واقفیت آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

دیگر اوصاف جہاں حضرت مرحوم ایک نکتہ رس مدبر، ایک وسیع النظر عالم، ایک بلند آہنگ واعظ اور میدان مناظرہ میں باطل کے لئے صاعقہ موت تھے، وہیں آپ دوستوں اور عزیزوں کے سچے مخلص اپنے چھوٹوں اور بڑوں کے ایک شفیق سرپرست وخادم اور مہمانوں کے لئے مجسمہ اخلاق تھے۔ تکلیف ومصیبت میں وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ پر عامل اور غیرت وحمیت میں اسلامی حمیت کے وارث تھے،

آپ کے وطنی جذبات حضرت کی تحقیق کے مطابق کانگریس ایک اچھی جماعت تھی، آپ

دلائل سے اسلام کا وطن دوست ہونا ثابت کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ دمِ واپسیں تک وطن دوستی کے علمبردار رہے، آپ نے نام و نمود کے دشت خارزار سے نکل کر کانگریس کی بے لوث خدمات انجام دیں، گو آپ کو اعزاز وجاہ کی مطلقاً تمنا نہ تھی تاہم احباب کے شدید اصرار سے ۱۹۵۷ء میں پانچ سال کے لئے یوپی اسمبلی کے ممبر ہوئے اور تا دمِ حیات مئو میونسپل بورڈ کی چیرمینی بھی کی۔

معمولات حضرت نے اپنے اوقات کو سنت کے مطابق اس طرح منضبط کر رکھا تھا کہ اس میں ذرا بھی بے قاعدگی و بے انتظامی کو دخل نہ ہوتا تھا، روزانہ کے معمولات ٹھیک اپنے اپنے وقت پر انجام پایا کرتے، سچ ہے مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ (جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوجاتا ہے) اللہ اپنے پاک بندوں کے اوقات میں ایسی وسعت و برکت عطا فرماتے ہیں جو دوسروں کے لئے باعث حیرت واستعجاب ہوا کرتی ہے،

حضرت پچھلی رات کو ہمیشہ بیدار ہوجاتے، نماز تہجد ادا فرماتے، اس کے بعد تلاوت فرماتے، فجر کی نماز باجماعت ادا فرماتے اور بچوں کو بھی بیدار کرتے، مدرسہ کا وقت ہوتے ہی درس و تدریس میں مشغول ہوجاتے، شام کو بعد نماز عصر بازار تشریف لے جاتے واپس ہونے کے بعد رات کا کھانا تناول فرماتے، غذا ہلکی اور مختصر ہوتی، اور دن کے کھانے کے بعد قیلولہ بھی کرتے تھے۔

وفات موت ایک ایسا پُل ہے جس سے مفر کی کوئی صورت اب تک دریافت نہ کی جاسکی، اس سے ہر انسان کو دیر سویر گذرنا ہی پڑتا ہے " یُدْرِکْکُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَۃٍ " قدرت کا اٹل قانون ہے، چنانچہ ۳۰ر ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ مطابق ۶ر جنوری ۱۹۷۳ء قیامت خیز ثابت ہوا، اور علم و عمل کا پیکر، اسلام کا شیدائی اور مذہب اسلام کا رہبر ساڑھے دس بجے رات میں حیات و موت کی کشمکش میں صرف چند منٹ مبتلا رہ کر مولیٰ حقیقی سے جاملا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

نہ تھکنے والا بہادر انسان

(از:- مولانا عزیز الحسن صدیقی مہتمم مدرسہ دینیہ غازیپور)

مولانا نعمانی نہ صرف ایک متبحر عالم اور استاذ تھے، بلکہ اعلی درجے کے منتظم اور مفکر بھی تھے، اور اسی کے ساتھ میدانِ سیاست کے شہسوار بھی، بڑے بڑے سورماؤں کو اس میدان میں پیچھے چھوڑ کر آگے جا چکے تھے، میں جس عالمِ دین کا تصور اپنے ذہن میں رکھتا ہوں اس کا نمونہ تھے، یہ دور ایسے علماء و اساتذہ کا متلاشی ہے، جو جامِ شریعت اور سندانِ عشق دونوں کے حامل ہوں... آج ہمارے علماء کو مسند تدریس بھی سنبھالنی ہے اور خدمت خلق کا فریضہ بھی انجام دینا ہے....

مولانا نعمانی مرحوم نے زندگی بھر اپنا مشن جاری رکھا، وہ مشن وہی تھا جس کے ہم جیسے دیوانے تبلیغ کرتے ہیں، ایک طرف درس حدیث دیا جا رہا ہے، دوسری طرف مفتاح العلوم کی ترقی کے لئے کوششیں ہو رہی ہیں، اور ساتھ ساتھ مئو کی سیاسی و سماجی زندگی میں اہم ترین رول ادا کیا جا رہا ہے، کوئی گوشہ نامکمل نہیں دکھائی دیتا، ہر کام اپنی جگہ مکمل اور ہر شعبہ منظم نظر آ رہا ہے۔

یہ معمولی بات نہیں ہے ایک مثالی کردار کا انسان تھا جو ہمارے درمیان سے اٹھ گیا، ۷۰ سال کی عمر کم نہیں ہوتی، مگر ہم نے ان کی شخصیت کے آگے بڑھاپے کو ہاتھ باندھے کھڑا دیکھا، .... میں سمجھتا ہوں وہ جوان اٹھے، ان کا عزم جوان تھا، ان کا حوصلہ جوان تھا، اور اپنے ہم عصروں اور علماء کی صف میں وہ ایک مثالی انسان تھے .... ۱۰ر جنوری ۱۹۸۳ء کو محترم مولانا ہاشمی ناظم جمعیۃ علماء ہند کے ہمراہ تعزیت کے لئے مئو جانا ہوا .... ہم نے دیکھا کہ مدرسہ مفتاح العلوم کے ایک پرسکون گوشے میں ساری عمر جد و جہد کر کے نہ تھکنے والا بہادر انسان ابدی نیند سو رہا ہے ؎ آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے،

حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ

(از:۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ اڈیٹر الفرقان لکھنؤ)

پہلی ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ (۲۷ جنوری ۱۹۷۴ء) اتوار کا دن تھا، ۱۲ بجے کے قریب مئو سے ایک اکسپریس تار اس عاجز کے نام آیا، جس میں حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ کے انتقال کی اطلاع تھی، یہ تار مولانا کے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی (ایم اے) کی طرف سے تھا، چونکہ مولانا کی بیماری وغیرہ کی کوئی خبر اس سے پہلے نہیں سنی تھی، اور اس طرح کے غلط تکلیف دہ تاروں کے بعض تجربے بھی ہوئے تھے اس لئے اس تار پر دل نے یقین نہیں کیا، طرح طرح کے شکوک و شبہات دل میں آئے، دل نہیں چاہتا تھا کہ یہ خبر صحیح ہو۔ پھر خیال آیا کہ اگر ایسا واقعہ ہوا ہوگا تو روزنامہ "قومی آواز" کے دفتر میں ضرور اطلاع آئی ہوگی، میں نے وہاں ٹیلی فون کیا، جواب ملا کہ یہاں اس طرح کی کوئی اطلاع نہیں ہے، اس کے سب اڈیٹر جو ٹیلی فون پہ مجھ سے بات کر رہے تھے، انھوں نے کہا کہ کیا آپ کے حوالے یہ خبر اخبار میں دیدی جائے؟ میں نے کہا کہ مجھے خود اطمینان نہیں ہے، اس لئے جب تک دوسرے کسی ذریعہ سے تصدیق نہ ہو جائے آپ اخبار میں اس کو نہ دیں۔ اس کے دو ڈھائی گھنٹے کے بعد معلوم ہوا کہ اس مضمون کا تار مولانا عبدالستار صاحب اعظمی استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پاس بھی آیا ہے، تو واقعہ کا یقین کر لینا پڑا، اور دل و زبان نے کہا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○ ان اللہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شئ عندہ باجل مسمی!

پوری آدھی صدی پہلے کے وہ نقوش حافظہ کی تختی پر ابھرنے لگے جو برسہا برس سے بالکل دبے ہوئے اور گویا مٹے ہوئے تھے۔

یہ عاجز شوال ۱۳۳۹ھ میں دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ میں ایک طالب علم کی

حیثیت سے داخل ہوا تھا، اس وقت اس مدرسہ کے صدر مدرس حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ تھے، جن سے اس عاجز کی کچھ رشتہ داری بھی تھی، میں اس وقت شرح جامی شرح تہذیب وغیرہ پڑھتا تھا۔ منتہی طلبہ کی ایک جماعت منطق، فلسفہ، کلام اور اصول فقہ کی انتہائی کتابیں پڑھتی تھی، اس سال مولانا عبداللطیف صاحب اسی جماعت میں تھے اور علمی استعداد کے لحاظ سے بہت ممتاز اور فائق طالب علم تھے، بہت اچھے مقرر بھی تھے، مزاج تحریکی تھا اور یہ تحریکِ خلافت کے شباب کا زمانہ تھا، جس نے مولانا کے لئے اور ہر اچھے مقرر کے لئے تقریر کا وسیع میدان فراہم کر دیا تھا، مولانا جلسوں میں تقریریں بھی کرتے تھے لیکن درس و مطالعہ کے کام میں ذرا کمی نہ آتی تھی، اگلے سال مولانا نے اسی مدرسہ میں دورۂ حدیث پڑھا، سال کے اختتام پر جلسہ ہوا، اور مدارس کے عام دستور کے مطابق اسی جلسہ میں مولانا اور ان کے ساتھیوں کی دستار بندی ہوئی

مولانا موصوف کی علمی و درسی استعداد اور دیگر خداداد صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے مدرسہ کے ذمہ دار حضرات نے مدرسہ میں بحیثیت مدرس کے مولانا کے تقرر کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ اگلے سال وہ اسی دارالعلوم میں مدرس ہو گئے۔ ہماری جماعت کے بھی دو سبق مولانا کے پاس گئے۔ میبذی شرح ہدایۃ الحکمۃ اور میر زاہد رسالہ مع غلام یحییٰ، اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا نے ان کتابوں کو اس طرح پڑھایا جس طرح منطق و فلسفہ کا کوئی کہنہ مشق ماہر مدرس پڑھاتا۔

مولانا صرف درس کے وقت استاذ ہوتے تھے (اگرچہ استاذی اس وقت میں بھی نہیں جتاتے تھے) لیکن درس کے اوقات کے علاوہ وہ سب طالب علموں کے بس دوست اور ساتھی ہوتے تھے۔

یہ عاجز تو مئو کے دارالعلوم میں اور مولانا کی شاگردی میں صرف اسی سال رہا۔ لیکن اس کے بعد گزشتہ پچاس برسوں میں جب جب بھی مئو جانا ہوا، ہمیشہ دیکھا کہ مولانا کا مزاج بالکل وہی ہے، عمر ستر سے متجاوز ہو جانے کے باوجود اور مفتاح العلوم جیسی عظیم درسگاہ کے مہتمم و صدر مدرس اور شیخ الحدیث ہونے کے بعد بھی ان میں

"بزرگی" اور "مخدومیت" کا احساس غالبًا ذرہ برابر بھی نہ آسکا۔ انھوں نے زندگی ایسی بنائی تھی جس میں اس طرح کے کسی احساس کے لئے جگہ ہی نہیں تھی۔

وہ ہمارے دینی مدارس کی اصطلاح میں معقولات ومنقولات کے ماہر اور راسخ العلوم استاذ بھی تھے، تقریر وبیان پر بڑے قادر اور کامیاب مناظر بھی تھے، اسی کے ساتھ ملکی اور ملی سیاست سے بھی گہرا تعلق رکھتے تھے۔ مئو ہندوستان کی ایک معروف صنعتی بستی ہے اور اس کی صنعت پارچہ بافی کا خاص تعلق مسلمانوں سے ہے مولانا اس کے صنعتی مسائل میں بھی خاص کر کاریگروں اور مزدوروں کے حقوق ومفادات کے تحفظ کے پہلو سے بھرپور حصہ لیتے تھے، اس سب کے ساتھ وہ لوکل سیاست اور شہری معیشت کے معاملات ومسائل میں بھی پورے دخیل رہنا چاہتے تھے اور اس پر ان کی پوری گرفت تھی، اس کے لئے میونسپل بورڈ کی چیرمینی کا الکشن بھی لڑتے تھے وہ پہلے بھی میونسپل بورڈ کے چیرمین رہے اور زندگی کے اس آخری دور میں بھی چیرمین تھے۔ اور ان میں سے ہر کام کا حق ادا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی غیر معمولی جامعیت اور بے پناہ قوت عمل دی تھی۔ راقم سطور کا اندازہ ہے کہ جو مختلف النوع کام اکیلے مولانا انجام دیتے تھے، اگر متوسط صلاحیت رکھنے والے چار مختلف آدمیوں پر وہ کام تقسیم کردیئے جائیں تو وہ اس سے بہتر طریقہ پر انجام نہ دے سکیں گے یہ واقعہ ہے کہ اس جامعیت وفعالیت میں وہ آپ ہی اپنی مثال تھے۔

اب وہ اپنے خالق ومالک کے حضور میں پہنچ چکے ہیں ان کی محبت کا خاص حق جو ان کی روح کے لئے یقینًا راحت ومسرت کا باعث ہوگا، یہ ہے کہ اخلاص سے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحمت کی دعائیں کی جائیں۔ ہماری زبانی وقلمی داد وتحسین وہاں پہنچے یا نہ پہنچے لیکن مخلصانہ دعاؤں کا ہدیہ اور تحفہ بلاشبہ ان کی خدمت میں پہنچے گا۔ کاش اس کی افادیت اور اہمیت کو ہم محسوس کریں اور اپنی قلبی فکر اور اپنے وقت کا تھوڑا سا حصہ اس پر لگانے کی ہمیں توفیق ملے۔

صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک خاص دعا،

منقول ہے جو کسی صحابی کے انتقال ہو جانے پر آپ نے ان کی نماز جنازہ میں پڑھی تھی، اور حدیث کے راوی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس کو آپ سے سن کر محفوظ کر لیا تھا بڑی پیاری دعا ہے، یہ عاجز اکثر ایسے مواقع پر اللہ کی توفیق سے وہی دعا کیا کرتا ہے، اسی کو اس مختصر تذکرہ کا خاتمہ بناتا ہوں۔

"اللّٰھم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه واکرم نزله ووسع مدخله واغسله بماء الثلج والبرد ونقه من الخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس وابدله دارًا خیرًا من داره واھلًا خیرًا من اھله وزوجًا خیرًا من زوجه وادخله الجنة واعذه من عذاب القبر ومن عذاب النار" ۔۔۔ اٰمین

(اس کا ترجمہ یہ ہے) اے اللہ! اس جانے والے کو بخش دے، اس پر رحم فرما، ہر طرح کی تکلیف سے معاف رکھ، اور اس کے لغزشوں کو معاف فرما دے، اور اے اللہ! وہاں اس کی مہمانی کو باعزت بنا، اس کی قبر کو کشادہ کر دے اور اسے پانی برف اور اولے سے دھو دے، خطاؤں سے اس طرح پاک وصاف کر دے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے دھو کر صاف ستھرا کر لیا جاتا ہے، اور اے رب العالمین! اس کو آخرت میں اس دنیا سے بہتر مسکن اور اس دنیا کے احباب و محب سے بہتر احباب و محب مہیا فرما دے اور یہاں شریک زندگی سے بہتر شریک زندگی عنایت کر دے، اور اے الٰہ العالمین انھیں جنت میں داخل فرما دے، اور قبر اور آگ کے عذاب سے بچا، آمین یا رب العالمین

(ظفیر)

خصائصِ نعمانیؒ

(از:۔ مولانا اظہار الحق صاحب استاذ مفتاح العلوم مئو)

دنیا حکم الٰہی اور اسرار ربانی کی ایک عظیم الشان جلوہ گاہ ہے اس کے دامن پر زندگی کے نقوش اسی لئے ظہور میں آتے ہیں کہ خود کو مٹا کر قادر مطلق کی ہستی کا پتہ دیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ساز ہستی کی ہر صدا اسی وجود کل کا ایک نغمۂ عبرت ہے۔

آنکھیں اگر دیکھنے والی ہوں تو دیکھ سکتی ہیں کہ کائنات کے ہر ہر ذرہ کی پیشانی پر "کل من علیہا فان" کا نوشتۂ ازل موجود ہے جو نہ کبھی مٹا ہے نہ مٹے گا جو دنیا میں آیا اسی کی شہادت دی کہ "کل نفس ذائقۃ الموت" یہ ایک آنے والی خبر ہے، اس کا کوئی مانع نہیں، سنت الٰہی ہے جس میں تبدیلی اور تخلف کا امکان نہیں۔

موت وحیات کا یہ رشتہ ایسا رشتہ ہے کہ ادنیٰ اور اعلیٰ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، ہر جاندار کو اس منزل سے گذرنا ہے، حتیٰ کہ انبیاءؑ بھی اس سے آزاد نہیں رہ سکے، حضرت الاستاذ مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہ اسی دنیا کے رہنے والے انسان تھے، لہٰذا آپ کے لئے بھی وقت آیا کہ تمام فرائض کے پورا کرنے کے بعد اس آخری فریضہ کو پورا کریں جسے اب تک سب پورا کرتے آئے ہیں۔

۶ جنوری ۸۵ء کی شب کو حضرت علیہ الرحمۃ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اس عالم میں جا پہنچی جہاں اس کا حقیقی نشیمن تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبد اللطیفؒ کی وفات ایک فرد، ایک شخص اور ایک انسان کی موت نہیں ہے بلکہ حیات ملی کے صحیفہ کے ایک باب کا اختتام ہے ؎

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو ٭ ہم ڈھونڈھنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے

مذہب اسلام کی یہ بھی ایک بڑی خصوصیت ہے کہ اسلام میں مذہب اور سیاست الگ نہیں بلکہ اسلامی سیاست بھی مذہب کا جزو ہے، اسی لئے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک وارث اس وقت تک کامل نہیں کہا جا سکتا جب تک وہ ماحول اور موجودہ حالات کے بموجب اسلامی سیاست کے میدان میں گامزن نہ ہو۔

حضرت مرحوم کے متعلق مشیت الٰہی یہی تھی کہ آپ اپنے دور کے سچے وارث النبی ثابت ہوں، چنانچہ حق تعالیٰ نے جہاں ایک طرف آپ کو عالم شریعت بنایا تھا، وہاں دوسری طرف آپ کو میدان سیاست کا ایک بہترین شہسوار بھی بنایا تھا تاکہ مذہب اور سیاست کے ہر دو میدانوں میں آپ مسلمانوں کی بہترین رہبری اور صحیح قیادت فرمائیں۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم آپ نے دارالعلوم مئو میں حاصل کی، اس کے بعد میڈھو (ضلع علی گڈھ) تشریف لے گئے جہاں آپ نے مشکوٰۃ شریف، جلالین شریف، ملاحسن، بیضاوی، اور مطول، مفسر قرآن محشی بیضاوی مولانا حافظ عبدالرحمٰن اور مولانا عبدالصمد ولایتی سے پڑھی، پھر دوبارہ دارالعلوم تشریف لائے اور یہیں پر حدیث کی تکمیل مولانا کریم بخش صاحب سے کی، فراغت کے فوراً بعد آپ یہیں علیا کے مدرس ہو گئے، پھر اپنے استاذ مولانا کریم بخش کے ساتھ پڑھانے کی غرض سے سنبھل تشریف لے گئے، تقریباً دو ماہ کے بعد وہاں سے مفتاح العلوم تشریف لائے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مفتاح العلوم کی بنیاد ڈالی جا رہی تھی آپ بھی اس کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد یہیں پر مدرس ایک مدت تک رہے اور بعد میں شیخ الحدیث بنا دیئے گئے۔ اور آخری زندگی تک اسی منصب پر فائز رہے

منطق و فلسفہ | ابتداء میں آپ کو منطق و فلسفہ سے خاص لگاؤ تھا، پھر حدیث اور فقہ میں وہ مہارت حاصل کی کہ کوئی کسر باقی نہ رہی کبھی کبھی فرماتے تھے ہدایہ پڑھانے کے لئے میں نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا ہے، نیز فرماتے تھے کہ میں زمانہ طالب علمی میں پوری ہدایہ اولین کو ایک رات میں سرسری طور پر دیکھ جاتا تھا، منطق

و فلسفہ کا یہ حال تھا کہ چنداں کتاب دیکھنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی،
ایک مرتبہ ہم چند ساتھی گئے کہ حضرت شرح ہدایۃ الحکمۃ کا نوٹ لکھوا دیجئے، آپ تیار ہو جاتے ہیں اور ہم لوگ لکھنے بیٹھتے ہیں، اور حضرت چائے بنا رہے ہیں اور تقریر کرتے جا رہے ہیں، نہ سامنے کتاب ہے نہ عبارت ہی پڑھی گئی تھی، لمبی سے لمبی بحث اسی طرح لکھوائے جاتے تھے، خاکسار کو حدیث کے علاوہ دوسرے فنون کے پڑھنے کا بھی موقع ملا ہے، مختصر المعانی پڑھنے کا زمانہ یاد آتا ہے کہ عبارت کے بعد ایسی جامع اور مانع تقریر فرماتے تھے کہ کہیں سے اگر ایک جملہ سننے سے رہ گیا تو ساری تقریر اپنے حق میں لاحاصل ہو جاتی تھی، تقریر کا خاص وصف یہ تھا کہ بات کو لمبی کرنا اور کسی بات کو مختصر کرنا اس طور سے ہوتا تھا کہ کہیں سے بے ربطی نہیں معلوم ہوتی تھی۔

درس حدیث قرأت حدیث کے بعد اسناد حدیث کے متعلق تحقیق فرماتے، رواۃ پر فن اسماء رجال کی حیثیت سے بحث فرماتے، مناسب موقع پر رواۃ کے حالات بیان فرماتے، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے جب کبھی کسی صحابی کا ذکر آجاتا تو ان کی خصوصیات ذکر فرماتے، اس کے بعد متن حدیث کا مفہوم اس طرح سمجھاتے کہ اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا تھا، حدیث میں جو مشکل الفاظ آتے تھے ان کی لغوی تحقیق فرماتے تھے، حدیث میں اگر کوئی اعتراض ہوتا تو اس کو بوضاحت بیان فرماتے، تعارض حدیث کو اس طرح دور فرماتے کہ یہ یقین کرنا پڑتا کہ ان میں کبھی تعارض ہی نہ تھا، تراکیب نحویہ، تشریح مقامات، فن حدیث کی اصطلاحات کی تشریح، صحابی کی احادیث مرویہ کی تعداد، وجہ تخصیص مذاہب ائمہ اربعہ، دیگر علوم و فنون کی اصطلاحات کی تشریح، فرق حقہ اور فرق باطلہ کے عقائد کی تشریح مع دلائل، تراجم ابواب سے احادیث مرویہ کی مطابقت، اگر کوئی حدیث اختلافی مسئلہ سے متعلق آئی تو تفہیم حدیث کے بعد اختلاف ائمہ بیان فرماتے اور پھر ہر امام کے دلائل بالتفصیل بیان فرماتے اور سب سے آخر میں مذہب حنفی کو قوی دلائل سے مزین فرماتے اور دلائل کو مع حوالہ بیان فرماتے اور

دیگر ائمہ کے دلائل کے چند قوی جوابات دے کر مذہب حنفی کو حدیث کے مطابق فرماتے۔اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ حنفی مذہب احادیث نبویؐ کے بالکل مطابق ہے، کسی جگہ اگر کسی فن کی کوئی بحث آجاتی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے مشکل سے مشکل مسائل کا حل ایسے عنوانات کے ساتھ بیان فرماتے کہ سننے والے پر ایک کیفیت سی طاری ہوتی معلوم ہوتی، اور اسی سے حضرت ممدوح کے علم کا اندازہ ہوتا تھا۔

تقریر تقریر میں آپ کو ایک خاص مہارت حاصل تھی، مناظرہ کے امام تھے اسی واسطے تقریر میں وہ خاص رنگ نظر آتا تھا، کبھی آپ سیاسی اسٹیج پر نظر آتے ہیں تو کبھی مذہبی پلیٹ فارم پر، جسمانی طور پر حق تعالیٰ نے ایک خاص وصف یہ عطا فرمایا تھا کہ شروع ہی سے محنت و مشقت کے عادی تھے حتیٰ کہ آخری عمر میں بھی ورزش کرتے دکھائی دیتے تھے، جس کی وجہ سے کافی مضبوط تھے، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ تم میں کے جوان کا اگر ہاتھ پکڑ لیا جائے تو وہ اس کو چھڑا نہیں سکتا ہے۔

سادگی و بیباکی آپ مئو سے امام گنج پیدل تشریف لے جایا کرتے تھے اور صبح سویرے وہاں سے واپس آتے تھے، باوجود پچھتر سال ہونے کے کوئی تکان نہیں محسوس کرتے تھے آخری زندگی تک اپنے کو بوڑھا نہیں تصور کرتے تھے، چال ایسی مستانہ تھی کہ جوان رشک کرتے تھے، مخالفین آپ کی چھڑی کو جادو کی چھڑی کہا کرتے تھے، حضرت خود فرماتے تھے کہ جب میں چھڑی لے کر چلتا ہوں تو مجھے کسی پر خطر مقامات میں چلے جانے سے ذرا بھی تامل نہیں ہوتا،

ذوق تلاوت تلاوت قرآن کا خاص ذوق تھا، تلاوت میں حلاوت محسوس کرتے تھے جس نے آپ سے بخاری کی کتاب التفسیر پڑھی ہے اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

باوجود اتنے بڑے عالم ہونے کے اپنے کو بڑا نہیں مانتے تھے، نہایت انکساری سے فرماتے تھے کہ میں شیخ الحدیث کہلانے کا مستحق نہیں ہوں۔

کتب طب مثلاً شرح اسباب وغیرہ پڑھانے پر اتنے ہی مہارت رکھتے تھے جیسے درسی کتابیں۔

مخالفین کا اعتراف میدان سیاست میں مخالفین بھی معترف ہیں کہ ہم آپ کے سامنے طفل مکتب

کی حیثیت رکھتے ہیں۔

زندگی بھر اپنا کام آپ کرو کے علم بردار رہے اپنے ہاتھوں کھانا پکانا۔ مسالہ پیسنا، پیاز و ترکاری کاٹنا، زندگی کے آخر تک جاری رہا۔

اخلاق و عادات اخلاقی طور پر یہ خاص وصف تھا جو بہت ہی اونچا تھا کہ ظاہر و باطن میں یکسانیت تھی، وہ اپنے قلبی جذبات کے چھپانے یا ان کے برخلاف اظہار پر قدرت نہ رکھتے تھے، اگر کسی سے خوش ہیں تو ظاہر و باطن خوش، اور اگر ناخوش ہیں تو اعلانیہ اس کا اظہار چہرہ بشرہ سے ہو جاتا تھا اور کہہ بھی دیتے تھے کارکنان مدرسہ یا بورڈ کے کسی آدمی سے اگر کوئی ناروا حرکت سرزد ہو جاتی تو ایسا ڈانٹتے پھٹکارتے کہ پھر دوبارہ وہ اس کی جرأت نہیں کرتا۔

بہر حال علم کے ساتھ حق تعالیٰ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا، جس نے ان کی بڑائی ہر ایک کے دل میں بیٹھا دی تھی، استغنار کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی طالب علم سے ایک لوٹا پانی تک نہیں مانگا وہ ہمیشہ اس بات کے قائل رہے کہ اپنا کام آپ کرو، اور خود کرکے دکھلا بھی دیا، فرماتے تھے کہ میں نے کبھی کسی کے ہاتھ کا پان بھی لگایا نہیں کھایا ہے، طلبہ سے اس قدر بے تکلف تھے کہ دوران درس کبھی ایسی باتیں بھی کہہ جاتے تھے کہ طلبہ کو سوچنا پڑتا تھا کہ آپ اپنے ساتھیوں سے کس قدر بے تکلف رہتے ہوں گے، غرض کہ آپ کے اندر وہ تمام باتیں موجود تھیں جو ایک اچھے بھلے انسان میں ہونی چاہئے آپ کی ذات ہمیشہ ملی اجتماعات کی پاسبان رہی۔

افسوس کہ وہ پاسبانِ ملت آج ہمارے درمیان نہیں جس کے دم سے مفتاح العلوم کی یہ شاندار بلڈنگ اور وہ کتب خانہ جو آپ کے تعمیری ذوق کا آئینہ دار ہے، وہ بورڈ کی عمارت[ل] جو ابھی زیر تعمیر ہے سب کی سب جب تک ان کا وجود رہے گا، آپ کی یاد تازہ کرتی رہیں گی۔

افسوس صد افسوس کہ ایسی ہستیاں کم وجود میں آتی ہیں، نہیں معلوم پھر ایسی ذات گرامی جس کے سایہ میں ہم مدرسین اور طلبہ پلتے تھے کبھی میسر آئے گی یا نہیں، وہ

ل اب یہ عمارت تیار ہو چکی ہے۔

خوددار ہستی جس نے اپنی ساری زندگی مدرسہ کے لئے وقف کر رکھی تھی وہ باشعور انسان جس نے زندگی کے ہر پہلو کا بنظر غائر مطالعہ کیا تھا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ ؎

حاصل نہیں سکون کسی عنوان تیرے بغیر
بزم سرور و کیف ہے زنداں تیرے بغیر
راحت کا اب نہیں کوئی ساماں تیرے بغیر
وحشت کدہ بنا ہے گلستاں تیرے بغیر
رنگت گلوں میں ہے نہ ہے غنچوں میں اب انبساط
گلشن مری نظر میں ہے ویراں تیرے بغیر

آخر میں رب العزت سے دعا ہے کہ ایسے مرد مجاہد کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ہم حرماں نصیبوں کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

(بقیہ صفحہ ۲۸ کا) وہ راقم کے استاذ الاستاذ اور عزیزم ظفر مسعود کے استاذ تھے عزیز نے ان سے بخاری شریف اور مسلم شریف پڑھی ہے۔

ہم لوگوں سے مولانا مرحوم کے نہایت گہرے اور عزیزانہ مراسم تھے اور ان کی وفات سے ہم لوگ مخلص مربی سے محروم ہو گئے، وہ ہمارے استاذ حضرت مولانا شکر اللہ صاحب کے معاصر اور دوست تھے، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

یوپی کے مشہور دینی عالم اور سیاسی رہنما

(از:- مولانا قاضی اطہر مبارکپوری)

افسوس کہ ۳۰؍ذو قعدہ ۱۳۹۲ھ مطابق ۶؍جنوری ۱۹۷۳ء بروز شنبہ گیارہ بجے رات میں ہمارے ضلع کے مشہور عالم دین اور سیاسی رہنما حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مئوی انتقال فرماگئے، رحمۃ اللہ علیہ، سنیچر کی رات میں مدرسہ مفتاح العلوم میں ۱۰ بجے کتابوں کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اچانک طبیعت خراب ہوگئی، آواز دی، چند طلبہ دوڑے ہوئے آئے اور قریب ہی کے ایک کمرے میں چارپائی پر لٹا دیا، اس حالت میں صرف اتنا کہا کہ ڈاکٹر کو بلاؤ، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، اور پندرہ بیس منٹ کے بعد جب تک ڈاکٹر آیا انتقال کرگئے، اتوار کو دن میں تجہیز و تکفین ہوئی، اور ظہر سے لے کر عصر تک لوگ مٹی دیتے رہے، عام اندازہ کے مطابق کم از کم چالیس ہزار مسلمان شریک ہوئے، غیر مسلموں کا جو مجمع تھا وہ الگ رہا۔

مولانا مرحوم ہمارے ضلع ہی کے نہیں پورے صوبہ یوپی کے مشہور دینی عالم اور سیاسی رہنما تھے۔ کم و بیش چالیس سال تک انھوں نے بڑی شاندار خدمات انجام دیں، مولانا کی وفات کی خبر بجلی کی طرح اطراف و جوانب میں پھیل گئی، اور مبارک پور، محمد آباد، خیر آباد، گھوسی، کوپا گنج، جہانا گنج، وغیرہ وغیرہ کے لوگ جنازہ میں شریک ہوئے علمی و تدریسی صلاحیت اور قابلیت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور ملکی امور و معاملات میں پوری بصیرت کے مالک تھے، اصابت رائے، صاف گوئی، اور مردانگی ان کے جوہر تھے، علمی استعداد نہایت ٹھوس تھی زندگی بھر درس و تدریس کی خدمت کرتے رہے، اور اونچی اونچی کتابوں کے مدرس رہے، ادھر پندرہ بیس سال سے جامعہ مفتاح العلوم شاہی مسجد مئو کے ناظم اور صدر مدرس رہے، اور حسبۃً للہ پورا وقت مدرسہ میں دیتے تھے

وہیں پڑھنا پڑھانا اور سونا جاگنا ہوتا تھا، انھوں نے اپنے دور میں مدرسہ کو تعلیمی اور تعمیری اعتبار سے بام عروج پر پہنچا دیا، بے نیازی اور بلند ہمتی کا یہ حال تھا کہ کسی معاملہ میں کسی چھوٹے بڑے کی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے تھے، اس معاملہ میں سرکاری اعلیٰ حکام سے لے کر عامی آدمی سب برابر تھے، ہر معاملہ میں ان کی اپنی خاص رائے ہوتی تھی جس پر سختی سے اڑے رہتے تھے اور دوسروں سے منواتے تھے یوپی اسمبلی کے ممبر رہے اور بڑی شان سے رہے، مئو میونسپلٹی کے بار بار چیرمین ہوئے اور اپنے قصبہ کو شہر بنا دیا، سیاسی معاملہ میں ہندو اور مسلمان موافق و مخالف سبھی ان کے معترف تھے، اور وہ سب میں مقبول تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی حیثیت سے بھی خوب نوازا تھا، وہ اپنے گھر کے خوشحال زمیندار تھے۔ ان کے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی بی، کے، ڈی کی وزارت کے زمانہ میں یوپی کے نائب وزیر مواصلات تھے، انکے ایک صاحبزادے انسپکٹر آف پولیس ہیں، اور ایک دوسرے انجینئر۔

مولانا نے چند سال پہلے حج و زیارت کی دولت بھی حاصل کرلی تھی، ہمارے دیار میں مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ کا نام بڑی عزت و احترام سے لیا جاتا تھا، اور ان کی مجاہدانہ زندگی کے سب ہی قدردان تھے، ان کی مقبولیت کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جنازہ میں چالیس پچاس ہزار مسلمان شریک تھے، اور ظہر سے لے کر عصر تک لوگ مٹی دیتے رہے ہمارے ضلع میں ہمارے ہوش میں یہ تیسرا مشہور جنازہ تھا، ایک حضرت مولانا محمد شکر اللہ صاحب مبارکپوری کا، دوسرا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کا اور تیسرا حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کا، یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبولیت کی دلیل ہے۔

مولانا مرحوم نے چند سال پیشتر مئو میں ایک تصنیفی و تالیفی ادارہ کھولنے کا پروگرام بنایا تھا اور اس کے جملہ انتظام کی ذمہ داری لی تھی تاکہ ہونہار فارغین میں تحقیق و تصنیف کا ذوق پیدا کیا جائے اور نئی نسل میں علمی اور دینی ذوق زیادہ ہو، مگر افسوس کہ ہمیں لوگوں کی کوتاہی سے یہ عظیم کام رہ گیا، (بقیہ صـ۲۲ پر)

آہ مولانا عبداللطیف نعمانی

(از:۔ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مدظلہ اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ ڈابھیل)

اب سے تقریباً ۵۵ سال قبل جامعہ مفتاح العلوم مئو ایک مکتب کی شکل میں تھا، جس کو حضرت مولانا امام الدین صاحب پنجابی رحمۃ اللہ علیہ نے جو مئو کے استاذ العلماء بلکہ استاذ الکل تھے قائم کیا تھا، اور وہ مختلف ازمان وادوار سے گذرتا ہوا ایک مکتب ہی کی صورت میں باقی رہا، اس وقت اس کے سرپرست حضرت مولانا ابوالحسن صاحب مرحوم تھے، جب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدرسہ مظہر العلوم بنارس سے الگ ہوئے تو مولانا ابوالحسن صاحب مرحوم نے ان کو مفتاح العلوم میں رکھ لیا، اس کے بعد ہی معاً جب مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مرحوم دارالعلوم مئو سے علیحدہ ہوئے تو وہ بھی مفتاح العلوم میں آگئے، یہ حقیر مدرسہ اسلامیہ دیوریا میں مشغول تعلیم تھا، مجھے بھی وہاں سے مدرسہ موصوف میں بلایا گیا اس طرح اب ہم تینوں آدمی یکجا واکٹھا ہوگئے تو خیال ہوا کہ اس مدرسہ کو ترقی دینا چاہئے، یہاں سے مفتاح العلوم کی نشاۃ ثانیہ کا دور شروع ہوتا ہے۔

مفتاح العلوم مدرسہ پہلے محلہ الہ داد پورہ کی مسجد میں تھا، مگر طلبہ کی کثرت و ہجوم کی وجہ سے جامع شاہی کٹرہ میں منتقل کر دیا گیا، جامع شاہی کا وسیع صحن و سائبان درسگاہوں کا کام دینے لگا، اس وقت مدرسہ کی مخصوص عمارت نہیں تھی، بیرونی طلبہ شہر کی مختلف مساجد کے کمروں میں ٹھہرائے جاتے تھے، ان دونوں حضرات یعنی حضرت مولانا اعظمی (مدظلہ) و حضرت مولانا نعمانیؒ نے درس و تدریس کی خدمت سنبھالی اور اس حقیر کو انتظام و اہتمام کی خدمت سپرد ہوئی، ہم میں سے ہر ایک نے اپنی پوری و بھرپور صلاحیت و استعداد سے کام لیا، اور سرگرم عمل ہوگئے، حالانکہ اس

وقت مدرسہ کو ترقی دینا تو درکنار اس کی بقا بھی مشکل تھی، اس لئے کہ مدرسہ دار العلوم جو شہر کا پرانا مدرسہ تھا اور اس نے ملک میں کافی شہرت و مقبولیت حاصل کر لی تھی، اور اس کے اراکین و ممبران شہر کے متمول ترین لوگ تھے، اور ان کو عوام میں کافی اثر و رسوخ حاصل تھا وہ لوگ مدرسہ مفتاح العلوم کے سخت مخالف تھے، وہ کسی قیمت پر مفتاح العلوم کی بقا کے روادار نہ تھے، مگر چونکہ پڑھانے والے حضرات اعلیٰ قابلیت کے مالک اور درس و تدریس میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، درس جمتا گیا اور علمی حلقہ میں کافی شہرت و مقبولیت حاصل ہوگئی، دور دور سے تشنگانِ علم کھنچے چلے آتے تھے اور چند ہی سالوں میں بیرونی طلباء سے مدرسہ بھر گیا۔

مدرسہ کے پاس جامع شاہی کے سوا نہ کوئی خاص جگہ تھی اور نہ عمارت جس میں ان مہمانانِ رسولؐ کو ٹھہرایا جاتا، منتظمین مدرسہ کو اس سلسلہ میں کافی پریشانی لاحق ہوئی، مگر خدا نے مدد کی، اور اس طرح انتظام فرما دیا کہ کٹرہ شاہی کی گیارہ کوٹھریاں مدرسہ نے جد وجہد کر کے خرید لیں، اور ایک سفال پوش مکان جو جامع شاہی سے ملحق مشرقی سمت میں واقع تھا، اس کو بھی حاصل کر لیا، اور درسگاہوں و دار الاقامہ کا تعمیری کام شروع ہو گیا، اور نہایت تیزی سے درسگاہوں کا کام مکمل ہو گیا اور بہت حد تک آسانی و سہولت پیدا ہو گئی، اور چند سالوں ہی میں مدرسہ نے یو، پی کے مشرقی حصہ میں علمی مرکزیت حاصل کر لی، اور وہ اب جامعہ مفتاح العلوم کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

مولانا نعمانی کی مساعی جمیلہ مولانا نعمانی مرحوم نے مدرسہ کے عروج و ترقی اور اس کے بقاء و استحکام کے سلسلہ میں جو کردار ادا کیا وہ قابل صد ستائش ہے، مولانا کی ذات گرامی علوم و فنون، درس و تدریس، تقریر و تحریر، انشاء و خطابت، مذہب و سیاست کی جامع تھی، بہت بڑے مناظر و متکلم تھے، دلیر و شجاع تھے، آہنی عزم و ارادہ کے مالک تھے، ہمت و استقلال کے پہاڑ تھے، مشکل سے مشکل حالات میں بھی ان کے پائے ثبات و استقلال میں لغزش نہیں آتی تھی،

چنانچہ جب ۱۹۴۲ء میں کانگریس کی جانب سے انگریزوں کے خلاف اندولن ہوا، اور حکومت کی طرف سے ہندوستانیوں پر طرح طرح کے مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور قسم قسم کی ہیبت ناک وعبرتناک سزائیں دی گئیں، اور بڑے بڑے لیڈران کرام گرفتار کئے گئے، عام گرفتاریوں کا سلسلہ برابر جاری تھا، مولانا نعمانی مرحوم بھی گرفتار کرلئے گئے، اور اعظم گڈھ جیل بھیج دیئے گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ مولانا کی معاشی حالت نہایت نازک وسقیم تھی، اور مولانا کے تمام بچے اس وقت خورد سال تھے، مدرسہ کی ملازمت کے سوا اور کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا، مگر بایں ہمہ مولانا کی پیشانی پر بل نہیں آیا، نہ کسی طرح کی پریشانی ظاہر ہوئی اور نہ کوئی اضطراب لاحق ہوا، خصوصاً وہ منظر دیکھنے کے لائق تھا، جب گرفتاری کے لئے تھانیدار مع مسلح پولیس کے مولانا کے مکان پر پہنچے، اور مولانا کو خبر دی گئی کہ تھانیدار آپ کی گرفتاری کے لئے آیا ہے، مولانا کے خویش واقارب اور ہمدردوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور لوگ نہایت پریشان وسراسیمہ ہوگئے مگر مولانا پر مطلق کوئی اثر نہ تھا اور مکان سے نہایت متانت وسنجیدگی کے ساتھ کاندھے پر ایک لنگی ڈالے مسکراتے ہوئے نکلے، اور اپنے کو تھانیدار کے حوالہ کردیا

مولانا کی دوراندیشی

مولانا نہایت دوراندیش ودوربین واقع ہوئے تھے، تقسیم ملک یعنی پاکستان بننے کے موقعہ پر ہندوپاک میں جو شدید اختلاف وکشیدگی پیدا ہوگئی تھی، اس سے کون ناواقف ہے، اکثریت کی طرف سے اقلیت پر جو مظالم ڈھائے جارہے تھے اور قتل وغارت، آتش زدگی واغوا کی جیسی گرم بازاری تھی، اس نے اقلیت پر عرصۂ حیات تنگ کردیا تھا اور مسلمان سراسیمہ وپریشان ہوکر نہایت تیزی سے پاکستان بھاگے جارہے تھے، مئو کے کچھ لوگ بھی اسی طرح کے خیالات میں تھے، مولانا نے اس موقعہ پر نہایت دلیری وشجاعت سے کام لے کر مسلمانوں کو ہمت دلائی اور ان کے احساس کمتری وسراسیگی کو دور کیا اور سنبھالا، خدا کے فضل سے پوری قوم سنبھل گئی اور لوگ پاکستان جانے سے باز رہے اور رک گئے، یہ ایک حقیقت ہے کہ مولانا نے ہر کٹھن ومشکل موقع پر قوم وملک کی سچی وصحیح رہنمائی فرمائی،

مولانا بحیثیت مناظر مولانا مناظر و متکلم بھی تھے، رضا خانیوں کے سردار مولوی حشمت علی سے کئی بار مولانا کے مناظرے ہوئے اور اس کو ہر دفعہ خاموش و ساکت کر کے چھوڑا اہلِ حدیثوں سے بھی تقریر و تحریری مناظرے رہے، اور یہاں بھی ہر موقعہ پر غالب رہے ایک پرچہ "اہل حدیث،، امرتسر سے مولانا ثنا اللہ امرتسریؒ کی ادارت میں نکلتا تھا جس میں مسلک حنفی پر اعتراضات ہوتے تھے، مولانا نعمانیؒ اس کا جواب "العدل" پرچہ میں جو اس وقت گوجرانوالہ سے نکلتا تھا شائع کرتے تھے۔

وہ منظر بھی نہیں بھولے گا جب بڑھنی ضلع بستی میں اہل حدیثوں سے مناظرہ ہوا ایک طرف اعیان علمائے اہل حدیث موجود تھے اور احناف کی طرف سے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہٗ اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی مرحوم تھے، دونوں فریق کا اسٹیج آمنے سامنے لگا ہوا تھا، شرائطِ مناظرہ پر بحث اور ردکد ہو رہی تھی اہل حدیث حضرات جو شرائط احناف کی طرف سے پیش کئے جا رہے تھے ان پر تیار نہیں ہوتے تھے، کافی وقت اس میں گذر گیا، مولانا نعمانی مرحوم نے کھڑے ہو کر اعلان فرما دیا کہ جتنے شرائط آپ لوگ پیش کرتے ہیں وہ اور اس کے سوا اور جو جو شرطیں آپ لگانا چاہیں وہ سب ہم کو منظور ہیں، ہماری طرف سے کوئی شرط نہیں ہے ہم بلا شرط مناظرہ کے لئے تیار ہیں،

مولانا کا یہ اعلان ان کے لئے برق خاطف ثابت ہوا، تمام جماعت اہل حدیث سراسیمہ اور مبہوت ہو کر رہ گئی اور صدائے برنخواست کا مصداق بن گئی، مولانا نے وقت متعین کر دیا کہ اتنی دیر میں اگر آپ لوگوں نے جواب دیا تو خیر، ورنہ ہم اپنی فتح و کامیابی کا اعلان کر دیں گے، چنانچہ وقت مقررہ گذر گیا اور علمائے اہل حدیث ایک ایک کر کے اسٹیج سے روانہ ہونے لگے، مولانا نے وقت مقررہ گذرنے کے بعد نہایت شاندار تقریر فرمائی اور اپنی فتح و ظفر کا اعلان فرمایا، یہ ہیں مولانا نعمانیؒ۔

درس و تدریس مولانا درس و تدریس میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، اور جس فن کو پڑھاتے تھے، ماہر فن معلوم ہوتے تھے، جن لوگوں نے مولانا سے پڑھا ہے، مولانا

کی مسلسل ومربوط وشاندار تقریر کی لذت وحلاوت اب تک محسوس کرتے ہیں مولانا کے تلامذہ وشاگردوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز اب بھی موجود ہے۔

تقریر وخطابت مولانا کو تقریر وخطابت میں بھی خاصہ ملکہ تھا، گھنٹوں تقریر کرنے پر بھی ان کا دماغ تھکن محسوس نہیں کرتا تھا، اپنے زور خطابت سے مخالف مجمع کو رام کرلیتے تھے، مجمع اگر ابتداء تقریر میں مخالف ہوتا تو انتہا، تقریر میں مدح گو وثنا خواں بن جاتا۔

اخلاق وعادات مولانا اخلاق کے اعتبار سے بہت بلند پایہ تھے، عوام وخواص سے یکساں ملتے تھے، غریب ومعمولی آدمیوں کے کسی کام کے لئے میلوں اس کے ساتھ پیدل چلے جاتے تھے، دوست احباب کے مجمع میں انتہائی تواضع وخاکساری سے پیش آتے، کبھی ترفع وتعلی سے کام نہیں لیتے تھے، ہمیشہ اپنے کو خادمانہ حیثیت سے پیش کرتے، یہ وصف عموماً تفریحی مجلسوں اور کھانے پکانے کی محفلوں میں زیادہ نمایاں نظر آتا تھا، عمدہ ولذیذ کھانے پکانے کا ان کو اچھا شعور تھا خصوصاً انگیشتی (یہ مئو کا ایک خاص مشہور ولذیذ کھانا ہے۔ اس کے) پکانے میں وہ ماہر تھے، لکڑی کھیلنے اور بنوٹ سے بھی شغف تھا، بنوٹ میں اچھی مہارت رکھتے تھے، لباس نہایت سادہ ومعمولی استعمال کرتے۔

تقسیم اوقات مولانا فضول ولایعنی کاموں میں کبھی وقت ضائع نہ کرتے اور تمام امور متعلقہ کو اس کے وقت میں نہایت خوبی سے انجام دیتے، چنانچہ وہ بیک وقت جامعہ مفتاح العلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی تھے اور مہتمم بھی، ساتھ ہی مئو میونسپلٹی کے چیرمین بھی تھے اور ڈسٹرکٹ ہینڈلوم ویورس کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ مئو اعظم گڈھ کے صدر بھی، صبح سے دس بجے تک تدریسی خدمت انجام دیتے، اس کے بعد میونسپلٹی کے دفتر میں پہنچ جاتے، مقدمات کی مسل ملاحظہ فرماتے، اور حکم احکام اپنے ہاتھ سے لکھتے اور ضروری کاغذات وملازمین کی نگرانی اور کارکردگی کا معائنہ کرتے، اور جو امور فرائض چیرمینی سے متعلق ہوتے وہ سب ۱۲ بجے تک انجام کو پہنچا دیتے، پھر

مدرسہ آکر کھانا کھاتے اور تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز کے بعد پھر درس شروع کر دیتے، درس سے فارغ ہو کر اگر ضرورت ہوتی تو پھر میونسپلٹی کے دفتر میں تشریف لے جاتے، ورنہ سوسائٹیوں کے معائنہ اور اس کی دیکھ بھال کے لئے اس کے دفتر میں چلے جاتے، مغرب بعد سے عشار تک پھر درس دیتے، اور بعد عشار کتب بینی میں مشغول ہو جاتے۔

سیاسی مشغلہ

سیاست میں بھی بھر پور حصہ لیتے تھے، اور مئو کے مسلم الثبوت لیڈر تھے، ساری زندگی شدید وسخت قسم کے کانگریسی رہے، یو، پی اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے تھے، تین مرتبہ مئو میونسپلٹی کے چیرمین منتخب ہوئے، دنیا سے رخصت ہونے کیوقت بھی وہ چیرمین تھے، اس سے عوام میں ان کی مقبولیت وہر دلعزیزی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، مولانا کی ذات سے ہر فرقے کے لوگوں کو نفع پہنچتا تھا، اور ان کی سیاسی پالیسی سے ہر گروہ کے لوگ خوش وراضی تھے، اور ان کے ہر مشکل وکٹھن وقت میں کام آتے تھے، ان کی ساری زندگی ایثار وقربانی اور حلم وعفو کا نمونہ تھی، جس میں دشمن ومخالف کے لئے بھی گرد کدورت کی گنجائش نہ تھی، قدرت واختیار کے باوجود کبھی دشمنوں سے بھی انتقام نہیں لیا، بلکہ بداندیشوں کے ساتھ بھی بھلائی کی اور اس کے لئے اپنا نقصان گوارا کیا اور بڑی سے بڑی قربانی سے کبھی دریغ نہیں کیا، اسی لئے وہ محبوب القلوب تھے اور ان کی عزت وحرمت دلوں میں جاگزیں تھی اس لئے ان کی موت درحقیقت ایک حادثہ نہیں بلکہ مجموعۂ حوادث ہے اور ان کا ماتم شخص واحد کا ماتم نہیں، بلکہ مذہب وملت کا ماتم ہے، علم وفن کا ماتم ہے، ملک وقوم کا ماتم ہے اور سیاست وشجاعت کا ماتم ہے۔

خبر وصال

۶، ۷، جنوری ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب میں ۱۱½ بجے حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، احقر کو یہ خبر بذریعہ تار دی گئی، یہ خبر دل پر بجلی بن کر گری، ایک سکتہ طاری ہو گیا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اور نہ دل اس خبر کو باور کرنے کے لئے تیار تھا مگر مشیت ایزدی یونہی تھی، اس لئے خواہی نخواہی

ماننا پڑا۔

افسوس میدان سیاست کا شہسوار اٹھ گیا، تعلیم وتدریس کی مسند سونی ہوگئی، تقریر وتحریر کی گرم بازاری سرد پڑگئی، وعظ وپند کی مجلس برہم ہوگئی، اور مذہب کا مناظر ومتکلم ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا،

رب العالمین! تیرا بندہ، تیرے دین کا خادم، تیری کتاب کا ترجمان، پیغام محمدی کا شارح اب تیرے دربار میں حاضر ہے، اس کو اپنے دامن مغفرت میں چھپالے، شہداء وصدیقین کا مرتبہ عطا فرما، اس کی تربت کو انوار رحمت سے معمور فرمادے، اللھم انزل علیہ شآبیب فضلک ومغفرتک یا غفور رحیم۔

(بقیہ ص۵۹ کا) سب مل کر دعا کریں کہ بارالہا! ان کے مراتب بلند فرما، ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرما، ان کے سایہ کے اٹھ جانے سے جو خلاء پیدا ہوگیا، اسے اپنے فضل سے پُر فرما۔

مولانا بار بار فرماتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری جگہ پر میری زندگی میں میرے کاموں کو کوئی سنبھال لیتا، میں آنکھوں سے دیکھ لیتا اور مطمئن ہولیتا کہ میرا قائم مقام واقعی میرا قائم مقام ہے، بڑے صاحبزادے مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نعمانی کے بارے میں فرماتے۔ انھوں نے اب سماجی امور میں دلچسپی لینی شروع کردی ہے، ان سے کچھ امید ہوچلی ہے کہ یہ شہری ذمہ داریوں کو انجام دے لیں گے۔ لیکن ابھی مدرسہ کی فضا میں اپنا قائم مقام مجھے نظر نہیں آتا، افسوس ہے کہ مولانا کی یہ تمنا بھی ان کے ساتھ گئی۔

مولانا نعمانیؒ ایک عظیم رہنما

(از: مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی نائب قاضی شریعت بہار و اڑیسہ)

نگہ بلند، سخن دلنواز، وجاں پرسوز ؂ یہی ہیں رخت سفر میر کارواں کیلئے

شیخ الجامعہ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی علیہ الرحمہ بلاشبہ "میر کارواں" تھے، اور "میر کارواں" کی ساری خوبیاں رکھتے تھے، نگہ بلند سخن دلنواز وجاں پرسوز، ان میں سب کچھ تھا، وہ کیا تھے اور کیا خدمات انجام دے گئے، اسے دوسرے مقالوں میں پڑھئے۔ میں یہاں ان کی چند باتیں سپرد قلم کر رہا ہوں۔

مولانا نعمانی علیہ الرحمۃ دین و دنیا کو نبھانے کی خوب خوب صلاحیت رکھتے تھے ؎ در کفے جام شریعت، در کفے سندانِ عشق، کے مظہر کامل تھے، مذہب سیاست سے الگ نہیں یا بقول اقبال ؎ جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی، مولانا نے عملی طور پر اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرایا، درس نظامیہ سے فراغت پانے والے طلبہ عملاً سیاست سے الگ رہنے کو اچھا سمجھتے ہیں، لیکن یہ مولانا ہی کا فیض ہے کہ ان کے زیر سایہ تربیت پانے والوں میں یہ "تنگی نظر" نہیں ہے، جو بھی ان سے قریب رہا ہے وہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ سیاست اور مذہب دونوں دو مستقل چیزیں نہیں ہیں، سیاست مذہب سے الگ نہیں، بلکہ مذہب کے دائرہ میں وہ بھی داخل ہے، مولانا طلبہ کا ذہن ایسا بناتے تھے کہ وہ سماجی خدمات میں دلچسپی لے سکیں اور اس کے اہل بن سکیں، اپنے ایسے فیض یافتہ سے جو سماجی امور میں حصہ لیتا، تنظیم قائم کرتا، الیکشن لڑتا، مولانا بہت خوش ہوتے، اس کی حوصلہ افزائی کرتے، فرماتے "یہ میرا شاگرد ہے اس نے میری باتوں کو سمجھا ہے، اس کو دنیا میں جینے کا ڈھنگ آگیا ہے"۔

۱۹۶۴ء میں جب میں مفتاح العلوم میں آپ کی زیر تربیت اپنی طالب علمی کا آخری سال گذار رہا تھا، ہر دوسرے، تیسرے ہفتہ بخاری شریف کے سبق کے دوران فرماتے۔

"صحیح ہے کہ مسلمانوں کی ابدی آرام گاہ آخرت میں ہے، لیکن دنیا میں بھی اسے عارضی طور پر ہی سہی — رہنا ہے، دنیا کی ضرورتیں محض عبادات سے پوری نہیں ہوتیں، اگرچہ قادر مطلق کے بس میں ہے کہ وہ ایک بے عمل بندے کو ہر طرح کی نعمتوں سے نواز دے، اس کے بتائے ہوئے ذرائع میں سے کوئی ذریعہ اختیار نہ کرے تب بھی اس کی خواہش وحاجت کی تکمیل فرمادے۔ لیکن اس کا یہ معمول وعادت نہیں ہے، اس نے کچھ اصول بنائے ہیں، ان اصول کو سامنے رکھ کر فیصلے نافذ کرتا ہے، اور چاہتا ہے کہ بندے ان اصول کو برتیں، چنانچہ جو لوگ ان اصول کو نہیں برتتے، ان کو اپنی نوازشوں سے محروم کر دیتا ہے، مثلاً بھوک پیاس دور کرنے کے لئے کھانے پینے کو ضروری قرار دیا ہے، اب جو لوگ نہ کھائیں نہ پئیں، تو اللہ تعالیٰ کی عادت نہیں کہ ایسے لوگوں کی پیاس از خود مٹائے تڑپ تڑپ کر ان کی جانیں تو نکل سکتی ہیں، لیکن ان کی بھوک، پیاس ختم نہیں ہو سکتی، یہ دنیا دار الاسباب ہے، یہاں کسی منزل تک پہنچنے کے لئے اس کے مناسب اسباب کو اختیار کرنا ہی پڑتا ہے، یہ سمجھنا قطعاً غلط ہے کہ ہم اگر محض نماز، روزہ وغیرہ عبادات ادا کرتے رہیں تو دنیا ہمارے قدموں پر آجائے گی، دنیا کو دنیا سمجھو، پھر یہاں باعزت طور پر جینے کے لئے شریعت نے جو رہنمائی کی ہے، اس سے فائدہ اٹھاؤ، نماز، روزہ حج اور زکوۃ اسلام نے فرض کئے ہیں، ان کو ادا کرنا تو ناگزیر ہے ہی، تقویٰ طہارت، پاکیزگی اخلاق یہ بھی اسلام کو مطلوب ہیں، لیکن دنیا میں رہنے کے لئے ان کے سوا کچھ اور کرنا ہوگا، اجتماعی زندگی گذارنی ہوگی، پھر سماجی

زندگی میں اگر اونچا مقام مطلوب ہے تو اس کے لئے اسباب بھی اختیار کرنے ہوں گے۔"

طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے اکثر و بیشتر فرماتے۔

"یہ وقت اس کا ہے کہ مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ اتحاد و اتفاق پیدا کیا جائے، تفریق و انتشار سے ملت کو بچایا جائے، ہم نے اپنی ساری جوانی حنفی اور اہلحدیث کے جھگڑوں میں گذاری ہے، تم لوگ ان جھگڑوں میں مت پڑنا، ہاتھ ناف کے نیچے باندھو تب بھی نماز ہو جائے گی، اور سینہ پر باندھو تب بھی ہو جائے گی، اولی اور غیر اولی کا فرق ہے، اولی کی اہمیت سمجھانے اور اس پر عمل کرانے کے لئے امت کو تفریق و ہلاکت میں ڈالدینا کسی طرح مناسب نہیں ہے، میں نے جو کچھ کیا وہ اس وقت کے حالات کے تقاضے تھے، اب اس کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

ایک مرتبہ طبقۂ علماء کی مالی پریشانیوں اور اقتصادی مجبوریوں کا تذکرہ آیا تو فرمانے لگے

"عالم اگر اپنے علم پر عمل کرے، تھوڑی سی محنت کرے، اور تھوڑی سی سمجھ بوجھ سے کام لے تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم کی نگاہ ڈالے گا، اسے بھوکوں نہیں مارے گا، اس کے لئے کم از کم بقدر کفاف رزق تو ضرور ہی مہیا کر دے گا۔"

انھوں نے خود اپنی داستان زندگی کا ایک ورق سناتے ہوئے فرمایا۔

"میری معاشی حالت ابتداءً ایسی نہ تھی جیسی اب ہے، میں نے محنت کی، اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اسباب اختیار کئے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی رحمتوں سے نوازا، اور ہر طرح نوازا۔"

اپنی محنت کی قدرے تفصیل سناتے ہوئے فرمایا۔

"تم لوگ اپنی جوانی سو کر گذارتے ہو، میں نے اپنی جوانی جاگ کر گذاری ہے، میں دن کو مدرسہ میں تعلیمی خدمات انجام دیتا اور رات کو

تقریر سننے اور تقریر کرنے میں صرف کرتا، میری جوانی کے زمانہ میں اہلحدیث اور حنفی کے باہمی جھگڑوں کی وجہ سے روزانہ تقریریں ہوتی تھیں، میں ایک رات جاگ کر ان کی تقریر سنتا، سوال وجواب تیار کرتا، اور دوسری رات خود ہی تقریر کرتا، پھر یہی نہیں، صبح کو مدرسہ جانے سے پہلے اور شام کو مدرسے واپس آنے کے بعد ساڑیاں بھی بنتا تھا"

ان کی بے پناہ محنت آخر دم تک قائم رہی، مئو کا بچہ بچہ کہتا تھا اور اب بھی کہتا ہے کہ مولانا جتنا کام تنہا کرتے تھے اور کر گئے، دوسرے کریں تو اس کے لئے ایک انجمن اور جماعت کی ضرورت ہوگی، مفتاح العلوم کے تدریسی مشاغل، انتظامی ذمہ داریاں۔ میونسپل بورڈ کی چیرمینی کی مصروفیتیں، گھریلو امور کی نگرانی، پھر دوسری انجمنوں اور شہری امور کی رہنمائی آخر دم تک قائم رہی، صبح صادق سے پہلے اٹھ جاتے، تہجد پڑھتے، تلاوت فرماتے، پھر آج پڑھانے والے اسباق کا مطالعہ کرتے، فجر کی نماز کے بعد خود اپنے ہاتھ سے ناشتہ تیار کرتے، ناشتہ کیا ہوتا تھا بس ایک چھٹانک جو کر میں شکر اور گھی ملا کر حلوا سا بنا لیتے اور اسی کو کھا کر چائے پی لیتے، دوپہر کے کھانے اور نماز ظہر کے علاوہ عصر کے وقت تک تدریسی اور مدرسہ کی انتظامی مشغولتیں رہتیں، عصر کے بعد شہر میں تشریف لے جاتے "روضہ" نامی مقام پر بیٹھتے، شہر کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوتیں، ضرورتیں پوری کی جاتیں، پھر مغرب کی نماز وہیں روضہ کی مسجد میں پڑھتے، نماز کے کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد مدرسہ تشریف لے آتے[1]، عشار کی نماز پڑھی جاتی، کھانا کھاتے۔ اور پھر سو جاتے، رات کو دس بجے سے زیادہ جاگنا ادھر پسند نہیں کرتے، طلبہ کو بھی ہدایت کرتے کہ سویرے سو جاؤ، پڑھنا ہو تو پچھلے پہر اٹھ کر پڑھو۔

علمار کے مشاغل کا تذکرہ آتا تو فرماتے۔

"آج علمار کے ساتھ یہ عجیب المیہ ہے کہ عموماً وہ اسلاف کی زندگی اور زمانہ کی ضرورت پر نظر نہیں رکھتے، پڑھنے پڑھانے ہی کو دین کا کام سمجھتے ہیں، ان کو کسی مدرسے کی مدرسی نہیں ملتی تو افسوس کرنے لگتے ہیں کہ میرا علم ضائع

[1] بعد میں نماز مغرب کے فوراً بعد مدرسہ واپس آجاتے تھے، پہلے بھی یہی معمول تھا، اس زمانہ میں معلوم ہوتا ہے بعد مغرب کوئی کام ہوتا ہوگا، اس لئے تاخیر ہوتی ہوگی۔ (مرتب)۔

ہوگیا، ان کو مسجد کی مؤذنی اور مکتب کی ملاگیری پسند ہے، لیکن اپنے دست و بازو سے اللہ تعالیٰ کا فضل حاصل کرنے میں عار و ندامت محسوس کرتے ہیں، (مؤذنی اور ملاگیری فی نفسہ بہت محمود فعل ہے، لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے اس کا مرتبہ گھٹا دیا ہے) پڑھنا پڑھانا یقیناً اپنی جگہ اچھی چیز ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو بھی مدرسہ سے فارغ ہو وہ مسند تدریس کو ضرور زینت بخشے۔ ضروری یہ ہے کہ پڑھنے کے بعد جس شعبہ میں جائے دینی جذبہ کے ساتھ جائے، جہاں رہے دین کی باتوں کو پھیلائے، علمی کام صرف مدارس ہی میں انجام نہیں دیئے جاتے، ندوۃ المصنفین اور دار المصنفین جیسے اداروں میں بھی علمی داد تحقیق دی جاتی ہے علم کو باقی رکھنے اور فروغ دینے کے لئے محنت و مطالعہ ضروری ہے پڑھانا نہیں، اسلاف کی زندگی پر نظر رکھو، انھوں نے پڑھایا بھی ہے اور دوسری خدمات بھی انجام دی ہیں، پھر زمانہ اور وقت کی ضرورت و تقاضے کو سمجھو، اگر سب علماء پڑھنے پڑھانے میں ہی لگ جائیں تو بقیہ امور کون انجام دے گا، دینی علوم سے بے بہرہ شخص اگر قومی، سماجی اور دوسرے مسائل میں ہاتھ ڈالے گا تو معاملہ بننے کے بجائے اور زیادہ بگڑے گا"

ایک مجلس میں قومی قیادت اور اس کی ذمہ داریوں کی گفتگو چل پڑی، فرمانے لگے۔

"صلاحیت اور طاقت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں، انھیں بے محل ضائع نہیں کرنا چاہیے، نیز موقعہ پر محنت و جانفشانی کرنے میں تامل بھی نہ ہونا چاہئے جو آدمی قومی ذمہ داریوں کو نباھنا چاہتا ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی طاقت و صلاحیت کو نگاہ میں رکھے، لوگوں کی خصوصیات، عادات اور مزاج کو سمجھے، حالات پر نظر رکھے، اور مستقبل میں پیدا ہونے والے نتائج کو تاڑے، جو رہنما قومی مزاج کی جتنی صحیح نباضی کرے گا، حالات کا بصیرت کے ساتھ جتنا گہرا مطالعہ کرے گا، عمل اور ردعمل پر جتنی وسیع نگاہ رکھے گا اور یہ کہ کن چیزوں سے کونسا نتیجہ رونما ہوگا، اس کو جتنی اچھی طرح

سمجھے گا، وہ اتنی ہی صحیح طور پر قومی قیادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے گا۔"
بخاری شریف کا سبق جاری تھا، دین کو غالب کرنے کی اہمیت و فضیلت بیان کرنے کے بعد فرمانے لگے۔

"ہمارے اسلاف کرام نے ہمیشہ حالات پر نظر رکھی ہے، جب بھی موقعہ آیا ہے، اقدام کیا ہے، وقت کے تقاضے کے پیش نظر جو کرنا چاہئے تھا، کیا ہے، دین کو غالب کرنے کی تمنا و خواہش ہر مسلمان کے دل میں ہونی چاہئے۔"

پھر علامہ ابن تیمیہؒ اور حضرت سید احمد بریلوی علیہما الرحمہ کی تحریکوں کی مفصل تاریخ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"حضرت سید احمد بریلوی علیہ الرحمۃ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے، انھوں نے حالات کا صحیح اور گہرا مطالعہ کیا تھا، وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہیں، ملت کو ایسے ہی جرأت و بصیرت اور سوز و گداز والے رہنما کی ضرورت ہے، کاش ان کا درد، ان کا اخلاص، ان کا عزم، اور ان کا جذبہ تم لوگوں کو نصیب ہو جاتا۔"

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، مولانا بہت سی شہری اور قومی ذمہ داریوں کے ساتھ درس و تدریس کی مسند سے بھی طلبہ کے ذہن و دماغ اور اخلاق و کردار کو سنوارتے تھے کہنا چاہئے کہ تمام مشغلوں میں درس و تدریس ان کا محبوب مشغلہ تھا، طلبہ ان سے جب کوئی سوال کرتے تو بہت خوش ہوتے اور ان کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کرتے، اگر کبھی کوئی طالب علم بے تکا سوال کر دیتا تو خفا نہ ہوتے، کہتے کہ "یہ بچے ملت کی امانت ہیں، انہی پر قوم کے مستقبل کا انحصار ہے، اگر آج ان کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا گیا تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں گے، بچے بہر حال بچے ہیں، وہ اپنے انداز سے اپنے فہم کے مطابق سوال کرتے ہیں، ہم اپنے انداز سے اپنی حیثیت اور شفقت کے مطابق جواب دیں گے۔"
کبھی کوئی سوال کیا جاتا اور کسی وجہ سے پوچھنے والا اس وقت مطمئن نہ ہو پاتا تو مولانا اس سوال کو بھولتے نہیں تھے، بلکہ ہمیشہ ذہن میں رکھتے تھے اور اس فکر میں رہتے کہ

یہ طالب علم کس طرح مطمئن ہو سکے گا۔

میں نے اسماء الرجال سے متعلق ایک اشکال کا ازالہ چاہا، آپ نے توجہ فرمائی لیکن میرا دل مطمئن نہ ہو سکا، مولانا کو یہ محسوس ہو گیا، نشست ختم ہو گئی، میں نے سمجھا کہ بات آئی گئی ہو گئی، لیکن کوئی ڈھائی مہینہ کے بعد صدر بازار کے چوک پر ایک دن میں تفریح کے لئے ساتھیوں کے ساتھ جا رہا تھا، اور مولانا شہر کے کچھ لوگوں کے ساتھ تشریف لا رہے تھے، مجھ کو بلایا اور کوئی دس منٹ تک وہیں پوری بات سمجھاتے رہے، بات سمجھ میں آگئی، طبیعت بہت خوش ہوئی، مولانا طلبہ کے ایک ایک اشکال کو گرہ سے باندھ کر رکھتے تھے، اور موقعہ بموقعہ اس کا حل پیش کرتے رہتے تھے، موقع کو بہت غنیمت سمجھتے تھے وہ اس دن شام کو آکر مدرسہ میں بھی بتا سکتے تھے، دوسرے روز سبق کے دوران بھی بتا سکتے تھے، لیکن ایسا نہیں کیا، ان کی نظر میں وقت کی قدر تھی، وہ آج کا کام کل پر اٹھا رکھنے کو قطعاً گوارا نہ فرماتے تھے، یہ بات کوئی اتفاقی نہ تھی، بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں تھی، اور ہر طالب علم کے ساتھ یہی شفقت تھی، مولانا کی طرف جن چیزوں کی وجہ سے دل کھنچتا تھا، ان میں سے ایک ان کی جفاکشی اور سادگی بھی تھی، تکلف و تصنع سے پاک زندگی بسر کرتے تھے خود ہی مسالہ پیس لینے، کپڑا دھو لینے، اور کمرہ میں جھاڑو لگانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔

آپ شروع سے اخیر دم تک کانگریسی رہے، کانگریس کی حمایت کرتے رہے، حق بات کہنے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹے، جرأت و شجاعت ان کا خاص جوہر تھا، مئو میں الیکشن کا موقعہ آیا، کمیونسٹوں نے اپنی شکست کے آثار دیکھے، کہلا بھیجا کہ مولانا نعمانی اپنی حفاظت کریں، ہم لوگ ان کو جان سے مار دیں گے، یہ خبر غلط تھی یا صحیح، اس سے بحث نہیں۔ مولانا کو یہ خبر معلوم ہوئی، قاضی ٹولہ کے میدان میں جہاں ہر سیاسی جلسہ ہوتا ہے جلسہ کیا اور پورے زور کے ساتھ اعلان کیا۔

"میں ایک خدا پر یقین و ایمان رکھتا ہوں، جب تک خدا میرے ساتھ ہے، میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا، بزدل ہیں وہ لوگ جو دوسروں کی جان لینے

کی سازش کرتے ہیں، لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ جسے خدا رکھے اسے کون چکھے، جسے خدا بچائے، اسے کون لیجائے ''
مولانا نے خط کشیدہ جملے جب فرمائے تو مجمع پر عجیب حالت طاری تھی اور پھر اس دن کے بعد سے لوگوں کے منع کرنے کے باوجود رات میں قصداً تنہا نکلتے اور گلیوں سے ہوکر گذرتے۔
ان کی صحت بہت اچھی تھی، بڑھاپے میں بھی جوانوں کی سی قوت رکھتے تھے، فرماتے تھے، مجھے موت بستر پر نہیں آئے گی، چلتے پھرتے آئے گی، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ اس مرد مجاہد کی یہ بات سو فی صد صحیح ثابت ہوئی۔
ادھر شومئ قسمت سے میں کئی سالوں سے مولانا کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا تھا پچھلے سال حسب ذیل نوازش نامہ ڈاک سے مجھے ملا۔

'' ۱۲ر ستمبر ۷۲ء

عزیز مکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ عرصہ سے آپ کا حال معلوم نہیں ہوا، امید ہے کہ بعافیت ہوں گے، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں ۱۲ / ۱۳ ر شعبان مکرم کو جلسۂ دستار بندی ہوگا، شرکت متوقع ہے .... فرصت ہو تو شرکت کرو، ملاقات ہو جائے گی ورنہ پھر ملاقات کی کیا توقع کی جائے .....

عبداللطیف نعمانی ''

۱۵ ر شعبان کو تنظیم مدارس، چمپارن کی میٹنگ تھی، میں اس میں مشغول تھا، حکم کی تعمیل سے معذور رہا، ارادہ کیا کہ رمضان مبارک کے بابرکت اوقات میں حاضری کا شرف حاصل کروں گا، لیکن اللہ کی مشیت کچھ اور رہی، علالت کا شکار رہا، اور اس طرح ہوا کہ بستر چھوڑنا دشوار ہو گیا، اتنے میں حضرت والا نے دارالبقاء کا رخت سفر باندھ لیا، آخری حکم کی تعمیل سے محرومی کا صدمہ اور آخری ملاقات کی ناشرمندۂ تکمیل تمنا رہ رہ کے دل میں ہوک اٹھاتی ہے، لیکن اب پچھتانے سے کوئی فائدہ نہیں، آیئے، ہم (بقیہ ص۵۱ پر)

مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمہ المجیب الکریم

۱۳۹۲ھ

(از :۔ مولانا محمد عثمان صاحب معروفی)

دامانِ نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

نحمدہ اللہ الجامع العلیم و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

۹۲ ۱۳ ھ

مناظر جلیل حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحب نعمانیؒ امام گنج کے رہنے والے تھے جو قصبہ مئوناتھ بھنجن سے جانب مغرب تھوڑے ہی فاصلہ پر واقع ہے، تحصیل علم کی غرض سے آپ دارالعلوم دیوبند بھی کچھ دنوں کے لئے گئے، لیکن فراغت دارالعلوم مئو سے ہوئی، پڑھنے کے وقت آپ اپنی جماعت میں ممتاز، اساتذہ کی توجہ کا مرکز اور جملہ طلباء کا مرجع بنے ہوئے تھے، علم کے ساتھ لگاؤ اور دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ زیادہ وقت مدرسہ ہی میں گذارتے تھے اور ہفتوں میں گھر جایا کرتے تھے، جب کہ آپ کا مکان ایک میل سے بھی کم فاصلہ پر واقع تھا۔

آپ کی استعداد اور لیاقت کے پیش نظر کارکنان مدرسہ دارالعلوم مئو نے دورِ منتہی میں ہی آپ کو مدرس بنانا طے کر لیا تھا، چنانچہ فراغت کے بعد فوراً ہی آپ دارالعلوم مئو میں درجۂ علیا کے مدرس رکھ لئے گئے اور ایک پختہ کار آزمودہ مدرس کی طرح اونچی کتابوں کا درس دینے لگے، یوں تو جملہ علوم وفنون میں آپ کو پورا درک حاصل تھا، لیکن منطق و فلسفہ میں آپ کی شان خصوصی طور پر نرالی تھی، کسی مصلحت کے پیش نظر چند سال بعد دارالعلوم مئو کی مدرسی ترک کر کے مفتاح العلوم مئو شاہی مسجد کٹرہ میں تشریف لے آئے اور درجہ علیا کی کتابوں کا درس دینے لگے، یہ زمانہ مفتاح العلوم کے لئے خیر القرون کہا جا سکتا ہے، جب کہ محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دامت

برکاتہم، مناظر جلیل حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمہ اللہ، اور حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مدظلہ بیک وقت کار تدریس میں مشغول تھے۔

پھر ۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا نعمانی رحمہ اللہ مفتاح العلوم کے مہتمم اعلیٰ، صدر المدرسین، اور شیخ الحدیث بنا دیئے گئے، آپ کی توجہات سے مدرسہ کے تعلیمی اور تعمیری کاموں میں وہ عروج حاصل ہوا جو محتاج تعارف نہیں، یہ مدرسہ اب ایک زبردست جامعہ عربیہ بن گیا ہے، آپ کا نظم وضبط اتنا مستحکم تھا کہ آپ کے دور میں کبھی بھی کسی قسم کی کوئی شورش نہ پیدا ہو سکی، آپ نے جامعہ مفتاح العلوم میں تقریباً باون[ا] برس درس دیا، آخری وقت میں آپکے زیر درس بخاری شریف، ابوداؤد شریف اور مختصر المعانی اور کچھ دوسری کتابیں تھیں، طلبہ کی بے ضابطگی پر اگر آپ سخت گیر تھے تو ساتھ ہی پڑھنے والے طلبہ کے لئے مہربان وشفیق بھی تھے، ۱۹۶۳ء کی بات ہے جب کہ راقم الحروف مفتاح العلوم میں عربی کی دوسری جماعت میں پڑھ رہا تھا اور منطق کی مزید ایک کتاب پڑھنے کا خواہشمند تھا تو حضرت مولانا نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا، حالانکہ وقت خالی نہ تھا مگر فرمایا کہ دوپہر میں کھانے کے بعد میرے کمرے میں آجایا کرو۔

اپنی جماعت کے لئے آپ کی ذات گرامی ایک مستحکم حصن حصین تھی، ہر باطل طاقت سے ٹکر لینا آپ کے لئے ایک معمولی کھیل تھا، اعلیٰ درجہ کے مناظر تھے، غیر مقلدین اور مبتدعین کے لئے شمشیر بے نیام تھے اور ان سے مقابلہ ومناظرہ کے لئے گویا ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ایک دور ایسا بھی گذرا ہے جس میں حریفوں کے لئے آپ کا اعلان تھا کہ تحریری ہو یا تقریری، مجمع میں ہو یا تنہائی میں، دن میں ہو یا رات میں، خود میرے یہاں آجاؤ یا مجھے بلالو، جب چاہو اور جیسے چاہو مقابلہ کرلو، مخاطب کو ایسا جواب دیتے کہ وہ ساکت ومبہوت ہوجاتا، مقابلہ میں آپ کا حریف شکست کھا جانے یا پھر راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوتا، علمی رعب وجلال ایسا تھا کہ بڑے بڑے اہل علم بات کرنے سے کتراتے تھے۔

ایک مرتبہ کہیں اہل حدیث سے مناظرہ تھا، شرائط مناظرہ پر بات الجھی ہوئی تھی

[ا] صحیح پینتالیس سال ہے (مرتب)

اہلحدیث حضرات مصر تھے کہ مناظرہ تحریری ہو، آپ وہاں تاخیر سے پہنچے، اور پہنچتے ہی اس الجھاؤ کو ختم کر دیا، آپ نے فرمایا کہ آپ حضرات اہل حدیث ہیں، لہذا کسی ضعیف سے ضعیف حدیث سے ثابت کر دیجئے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کوئی تحریری مناظرہ کیا ہے، ورنہ تقریری مناظرہ کے لئے تیار ہو جائیے، اور میں ابھی ثابت کر دوں گا کہ آنحضرت نے نصاریٰ نجران سے تقریری مناظرہ فرمایا ہے۔

سنہ ۶۳ھ میں ضلع بستی میں مولوی حشمت علی سے مناظرہ طے ہوا تو آپ بلائے گئے چنانچہ آپ نے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان کی ساری شعلہ بیانی کافور ہو گئی، آپ فرماتے تھے کہ مولوی صاحب مذکور کو چپ رہنے کا روزہ رکھا دیا، اور سامنے اسٹیج پر بت کی طرح گھنٹوں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا، نہ بول ہی سکتے تھے اور نہ ہی بھاگنے کا کوئی راستہ تھا، اور میری تقریر جاری تھی۔

آپ کے دشمن بھی تھے جو آپ کے قتل کے درپے تھے مگر آپ کے قلب میں سوا خدا کے کسی اور کا خوف ہی نہ تھا، پوری جرأت اور بہادری کے ساتھ اپنی چھڑی لئے ہوئے پیادہ پا تنہا مدرسہ، بازار اور اپنے مکان آتے جاتے رہتے، مخالفین مرعوب تھے اور آپ کی چھڑی کو جادو کی چھڑی کہا کرتے تھے۔ آپ فرماتے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے ایک سکنڈ پہلے نہیں آسکتی پھر کسی انسان کا خوف کیسا۔؟

اسی بہادری کی وجہ سے آپ شیر مئو بھی کہے جاتے تھے، بڑے بڑے حکام سے اس طرح باتیں کرتے تھے جیسے اپنے کسی ساتھی یا کسی شاگرد سے باتیں کر رہے ہوں، آپ علمی اور سیاسی دونوں ہی میدان کے شہسوار تھے۔

درکفے جام شریعت درکفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

۱۹۲۳ء سے آپ نے ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۴۲ء کی جنگ آزادی کے سورماؤں میں آپ کسی سے پیچھے نہ رہے، دورانِ جنگ آپ جیل بھی گئے، اور سنت یوسفی کا شرف بھی حاصل کیا۔

۱۹۵۷ء میں کانگریس کے ٹکٹ پر جنرل الیکشن میں یوپی اسمبلی کے ایم، ایل، اے ہوئے، ۱۹۲۳ء ہی سے کانگریس کے عظیم المرتبہ لیڈر، صوبہ اور ضلع کانگریس کے اہم عہدوں پر متمکن تھے، جمعیۃ علماء ہند کے ایک رکن کی حیثیت سے اس کا بھی کام برابر کرتے تھے، آپ ضلع اعظم گڈھ جمعیۃ کے صدر بھی تھے، آپ کی آخری تقریر اسی پلیٹ فارم سے دارالعلوم مئو میں وفات سے ایک روز قبل تنظیم جمعیۃ کے سلسلہ میں ہوئی جب کہ جمعیۃ کی تنظیم و ترقی کے لئے دلی سے ایک وفد دورہ کرتا ہوا مئو وارد ہوا تھا۔

آپ ضلع ہینڈلوم کوآپریٹیو سوسائٹی کے صدر بھی تھے اور آخر عمر تک اس عہدہ پر فائز رہے تین بار میونسپل بورڈ کے چیرمین منتخب ہوئے، اول بار ۱۹۵۷ء میں، پھر ۱۹۶۵ء میں اور تیسری بار ۳۱ر جولائی ۱۹۷۱ء میں، جب کہ بورڈ لاکھوں روپے کا مقروض تھا اور اس کا سنبھلنا مشکل معلوم ہو رہا تھا، ایسے وقت میں اسے سنبھالنے کے لئے ممبران بورڈ نے آپ کو چیرمین بنا دیا، آپ کے حسن انتظام اور کڑی نگرانی نے سترہ ماہ کی قلیل مدت میں بورڈ کو قرض سے سبکدوش کر دیا اور اس کی آمدنی میں مزید چار لاکھ روپے کا اضافہ بھی ہو گیا، آپکا ہی کرشمہ تھا کہ تقریباً ۵۰۰، ملازمین پر بیک وقت مکمل کنٹرول رکھتے تھے، کوتاہیوں پر ملازمین کو تنبیہ کرنے کے عادی تھے، اپنے دور میں قصبہ کے اندر سمنٹ کی پختہ سڑکیں، گلیاں، اور نالیاں تعمیر کرائیں۔ میونسپل بورڈ آفس کی کوئی عمارت نہ تھی، آخری دور میں آپ نے اس کی جدید قسم کی ایک عالی شان بلڈنگ تعمیر کرادی۔

اسی طرح جامعہ مفتاح العلوم میں ابتداءً جب آپ آئے تو اس کی مالی حالت سقیم تھی، مگر آج اس کی مالی حالت بھی بہت بہتر ہے، مفتاح العلوم کا کتب خانہ آپ کے ذوق طبع کا آئینہ دار ہے، شاہی مسجد کٹرہ کی عظیم الشان جدید تعمیر کا ولولہ بھی آپ کے قلب میں موج زن تھا مگر افسوس کہ یہ حسرت اپنے دل ہی میں لئے رخصت ہو گئے،

ایک بار غالباً ۱۳۸۶ھ میں مجھے مفتاح العلوم میں بلوایا اور مدرسہ کے جنوبی پھاٹک کے اوپر لے جا کر فرمایا کہ تمہیں کتابت اور نقش و نگار میں کچھ معلومات حاصل ہیں اس

لئے یہاں کی جگہ پیمائش کرلو اور اس کے مناسب کوئی عبارت لکھ دو، میں نے چار انچ موٹے قلم سے طغرائی شکل میں اس طرح "جامع عنبر مفتاح العلوم" لکھدیا جسے بڑے اہتمام سے جنوبی پھاٹک کی بالائی منزل پر کندہ کرایا،

پورہ معروف کے لوگوں سے آپ کو کافی انس تھا، اس لئے مدرسہ معروفیہ کے سالانہ امتحان واجلاس میں تقریباً ہر سال شرکت فرماتے تھے، اس موقعہ پر پورہ معروف کے اہل علم حضرات آپ سے استفادہ کرتے تھے، گذشتہ سال یعنی ۱۳۹۲ھ میں مدرسہ معروفیہ کی ایک مجلس میں فرمایا کہ میری جگہ مفتاح العلوم کی نگرانی کرنے والا کوئی شخص مل جاتا تو میں پورے ملک میں مستقل اور مسلسل دورے کرتا اور ملک میں مسلسل جو فسادات ہوتے رہتے ہیں ان کے روکنے کے سلسلہ میں قوم وملت سے ایک نئے انداز میں گفتگو کرتا، قوم کے دماغ کو بدلنے کا ایک نیا طریقہ ذہن میں مرتب کر رکھا ہے، ہم لوگوں نے اس طریقہ کی تفصیل چاہی تو بتانے سے انکار کردیا، اور فرمایا کہ ہر چیز قبل از وقت بتانے کی نہیں ہوتی، مولانا فرماتے تھے کہ اسلامی تقاضوں کو پورا کرنے ہی کی غرض سے میں نے سیاست کو اختیار کیا ہے۔

اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے، راقم الحروف نے جب "کمیونزم اور مذہب" نامی کتاب مرتب کی اور اس پر مولانا سے مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تو آپ نے بطیب خاطر قبول فرمالیا، اور پہلی فرصت میں ۲۲ر فروری ۱۹۶۸ء کو اس کتاب کے لئے ایک مختصر مگر جامع مقدمہ تحریر فرماکر ایک طالب علم کے ذریعہ بھیج دیا، آخر عمر میں فرماتے تھے کہ ہمارے چل چلاؤ کا وقت آگیا ہے، ہمیں جو کچھ کرنا تھا کرچکے تم لوگ جوان ہو آگے بڑھو اور ان کاموں کو کرو۔

اخیر وقت تک آپ نہایت تندرست تھے، کوئی جسمانی تکلیف نہیں تھی، ۳۰ر ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ ۶ر جنوری ۱۹۷۳ء بروز شنبہ حسب دستور اپنے تمام معمولات پورے کئے، مدرسہ اور میونسپل بورڈ کے کاموں سے فرصت پاکر شام کو بازار گئے، ساتھیوں کے ساتھ چائے پی، مغرب کی نماز ادا کی، عیدالضحیٰ کا چاند دیکھنے کی سنت ادا کی، پھر مدرسہ تشریف

لاکر طلبہ کی نگرانی کی، دس بجے رات میں بخاری شریف کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ قلبی ہیجان پیدا ہوا، اور دفعتاً چل بسے

آپ کی موت آپ کے محبوب ادارہ جامعہ عربیہ مفتاح العلوم ہی میں واقع ہوئی اور اسی مدرسہ میں دوسرے دن یکشنبہ کو جنوبی گوشہ کے سمت مغرب میں جامع شاہی کے زیر سایہ تدفین عمل میں آئی، قصبہ کے علاوہ جہاں کہیں خبر پہنچ سکی مثلاً ادری، کوپا گنج، گھوسی، پورہ معروف، محمد آباد، خیر آباد، ولید پور، ابراہیم پور، مبارکپور، جہانا گنج وغیرہ وہاں کے لوگ کثیر تعداد میں شریک جنازہ ہوئے، ضلع اعظم گڈھ کے علاوہ بلیا، غازیپور اور بنارس وغیرہ سے بھی بہت سے آدمی آگئے تھے، بڑے بوڑھوں کا بیان ہے کہ مئو کی سرزمین پر نماز جنازہ کی اتنی بڑی جماعت آج تک نہیں ہوئی۔

تدفین کے دوسرے دن دوشنبہ کو قصبہ میں مولانا کے سوگ میں پورا بازار بند رہا، شام کو تعزیت میں ایک زبردست جلسۂ عام منعقد ہوا، جس میں سیاسی وغیر سیاسی تمام پارٹیوں نے شرکت کی اور سب نے زبردست خراج عقیدت پیش کیا، حتی کہ کمیونسٹ اور جن سنگھ کے لیڈروں نے بھی باوجود اختلاف کے مولانا کے کارناموں کو بہت زیادہ سراہا، اور آپ کی وفات کو ملک وملت کے لئے ایک زبردست ناقابل تلافی نقصان قرار دیا، مولانا کے انتقال کی خبر اور اس پر اظہار غم ملک کے موقر اخبارات ورسائل میں آیا ان میں الجمعیۃ دہلی، قومی آواز لکھنؤ، انقلاب بمبئی، سیاست کانپور، برہان دہلی، الفرقان لکھنؤ اور دارالعلوم دیوبند وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

۶ر ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ کو بعد نماز جمعہ شاہی مسجد میں محدث جلیل ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم نے قدرے تفصیل سے آپ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو صبر کی تلقین فرمائی، اور نیر صاحب مئوی نے ایک نظم سنائی جس پر سارا مجمع اشک بار تھا۔

آخر میں دعا ہے کہ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

مولانا نعمانیؒ کا اندازِ فکر
مولانا کی تحریر کے آئینے میں

(از:- محمد ظفیر الدین مفتاحی)

استاذ محترم حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ وہ ایک جید عالم دین، کامیاب مدرس اور محبوب سیاسی رہنما تھے، اپنی زندگی میں انھوں نے اپنے دائرہ میں بہت سی عظیم خدمتیں انجام دیں، سیکڑوں، ہزاروں علماء آپ کی درسگاہ سے پیدا ہوئے، اور مختلف تعمیری کارنامے آپ کے ہاتھوں انجام پائے اور اسی کے ساتھ ملکی اور ملی مسائل میں بھی بھرپور حصہ لیا، اور اللہ کے فضل وکرم سے ہر منزل میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے، آپ کی وفات کے بعد بہت سے مسودات آپ کے قلم کے لکھے ہوئے ملے ہیں، یہاں اندازِ فکر کو واضح کرنے کے لئے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے کہ مولانا نعمانیؒ کے سوچنے کا کیا انداز تھا۔

اپنے ایک عزیز کو لکھتے ہیں۔

"دیکھو مجھ کو مدرسہ میں پڑھاتے ہوئے پچاس سال ہو گئے، آج بھی پڑھاتا ہوں، چالیس مدرسین اور بارہ سو طلبہ کا انتظام اور ان کی نگرانی کرتا ہوں، اور ساٹھ پینسٹھ ہزار والے قصبہ کی اصلاح وتنظیم کا کام بھی کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہوں پھر بھی مشکل سے کوئی دن ایسا گذرتا ہے جس میں تم لوگوں کی یاد نہ آتی ہو"

آزادی کے بعد حالات اور مولانا نعمانیؒ

مئو کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ مولانا کی زندگی کس قدر مصروف زندگی تھی، مگر وہ کسی سے غافل نہیں رہتے تھے، کوئی شبہ نہیں مولانا پرانے کانگریسی تھے ۱۹۴۲ء میں جیل بھی جا چکے تھے، آزادی کے بعد بھی انھوں نے اپنے حلقہ اثر میں ملک کی بڑی اہم خدمتیں انجام دی ہیں، مگر مولانا کو جو کھٹک تھی اسے کبھی چھپاتے نہیں تھے اپنے ایک مضمون میں جس کا عنوان ہے "شہریوں کی حفاظت کی ذمہ داری کس پر؟" لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں تقریباً ۲۳ سال سے فساد اور قتل وغارت گری کا شرمناک سلسلہ جاری ہے، ان فسادوں کے اسباب ومحرکات کے سلسلہ میں سیاسی پارٹیوں اور مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی طرف سے مختلف بیانات دیئے جارہے ہیں، لیکن یہ بات اب تک صاف نہیں کی گئی کہ ملک میں امن وامان قائم رکھنے کا اصل ذمہ دار کون ہے، اور شہریوں کی جانی ومالی بربادی کی جوابدہی براہ راست کس پر ہے؟

مان لیجیے کہ فساد کی محرک فرقہ پرور پارٹیاں ہیں، یا نیم فوجی فسطائی تنظیمیں، لیکن ان کی فساد انگیزیوں کو روکنا عوام کا فرض ہے، یا حکومت کا؟

حکومت فساد روکنا چاہتی ہے اور نہیں روک پاتی، یا روکنا ہی نہیں چاہتی؟ ہماری حکومت چین سے لڑکر اس کو واپسی پر مجبور کر سکتی ہے، پاکستان کے حملے کا منھ توڑ جواب دے سکتی ہے، تو کون باور کر سکتا ہے کہ ملک کے چند فساد پسند لوگوں کو فساد کرنے سے روکنا اس کی طاقت سے باہر ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ حکومت نے اب تک فساد ختم کرنے کی کوئی سنجیدہ کوشش ہی نہیں کی، اس لئے ضرورت ہے کہ ایک ملک گیر تحریک چلا کر حکومت کو مجبور کیا جائے کہ وہ سنجیدہ ہو کر ملک سے فرقہ وارانہ فسادوں کا نام ونشان مٹائے ورنہ صاف صاف اعلان کردے کہ وہ شہریوں کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں ہے"

اندازہ لگایئے کہ مولانا نے حالات کا کس قدر عمدہ تجزیہ کیا ہے اور کتنی جچی تلی رائے دی ہے مگر اس ملک میں ایسی رائے کو کون اہمیت دیتا ہے، جہاں ترقی کی سب سے بڑی ضمانت خوشامد اور چاپلوسی ہے، بالخصوص جب کہ بڑے بڑے مسلمان لیڈر ضرورت سے زیادہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں یا مبتلا کردیئے گئے ہیں۔

جے پرکاش نرائن مولانا کی نظر میں آپ نے ایک دفعہ سروودے لیڈر جے پرکاش نرائن کے

سلسلہ میں تحریر فرمایا تھا۔

"شری جے پرکاش نرائن جی قوم پرور لیڈروں میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں، موصوف کے متعلق کسی کو یہ وہم بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں کوئی نامناسب رویہ یا جذبہ رکھتے ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بڑے فساد کے بعد فساد زدہ مقام پر تشریف لے جاکر ایک ایسا بیان ضرور دیدیتے ہیں جس سے مسلمان فساد کے محرک ثابت ہوں، اور اصل محرک اور فسادی بے گناہ اور معصوم معلوم ہوں"

پھر اس کے بعد رانچی اور احمد آباد کے فساد کے سلسلہ میں نرائن جی نے جو یکطرفہ بیان دیا تھا اس کا تذکرہ کیا ہے۔

مئو میں پولیس کی زیادتی پر مولانا کا بیان

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی کہ ملک میں قیامت برپا ہوئی اور وہ سب کچھ ہوا جو نہ ہونا چاہیے، مگر مولانا مرحوم کے حلقہ اثر میں کبھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا، اور نہ ہندو مسلم منافرت پیدا ہونے پائی، اتفاق سے ۲۹ مارچ ۱۹۶۹ء کو مولانا کے شہر مئو ناتھ بھنجن میں سینما سے نکلتے ہوئے دو لڑکوں کا جھگڑا ہو گیا، بس اس کو بہانہ بنا کر پولیس نے وہاں قیامت برپا کردی اور اس وقت کی صوبائی حکومت نے جس کے وزیر اعلیٰ گپتا جی تھے، پولیس کی بیجا حمایت کی، اس پر حضرت مولانا نعمانیؒ نے بیان دیا،

"مئو ضلع اعظم گڈھ کا ہنگامہ امن پسند اور بے گناہ شہریوں پر سرکاری افسروں، پولیس اور پی، اے، سی، کے جوانوں کے ظلم وستم کی شرمناک مثال ہے اس کی پردہ داری کے لئے گپتا جی نے اپنے پیشگی بیانوں سے ضروری اشارے کردیئے تھے اور عوام کی طرح ہم لوگوں کو بھی یقین تھا کہ گپتا جی کا کوئی ماتحت افسر گپتا جی کے بیانوں کے خلاف رپورٹ دینے کی جرأت کرکے اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت نہیں کر سکتا، مصدی لال جی کی رپورٹ کا خلاصہ اخبار میں پڑھ کر مزید یقین ہو گیا کہ گپتا جی اپنے ظالم افسروں کی

پردہ دری نہیں چاہتے، اس لئے تحقیقاتی کمیشن نے سرکاری عملہ کے خلاف شہادتوں کو ہاتھ لگائے بغیر یہ فیصلہ دیدیا کہ سب ٹھیک ٹھاک ہے، پولیس اور افسروں نے سب کچھ ٹھیک کیا۔

ریلیف کمیٹی کے نزدیک یہ رپورٹ جھوٹ کا طومار ہے جو گپتاجی کو خوش کرنے اور سرکاری عملہ کی پردہ پوشی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ریلیف کمیٹی ایک بار پھر چیلنج کرتی ہے کہ گپتا وزارت میں ہمت ہے تو ہائی کورٹ کے کسی غیر جانبدار جج سے تحقیقات کرانے کی مانگ منظور کرے۔"

اس وقت کے وزیر اعلیٰ کے نام مولانا کا خط مئو کے اسی فساد کے سلسلہ میں مولانا نعمانیؒ نے اس وقت کے وزیر اعلیٰ گپتاجی کے نام ذیل کا خط بھی روانہ کیا۔

"جناب عالی! مئو ضلع اعظم گڈھ میں نہ ۲۹ مارچ ۴۹ء کے پہلے فرقہ وارانہ کشیدگی تھی نہ اس کے بعد کوئی کشیدگی پائی جاتی ہے، ۲۹ مارچ کو پولیس اور اکھاڑے والوں میں مارپیٹ ہوئی، اس مارپیٹ میں کچھ تماشائیوں کو بھی چوٹیں آئیں، جن میں بعض ہندو بھی ہیں، لیکن یہ نہ فرقہ وارانہ فساد تھا، اور نہ اس سے فرقہ وارانہ کشیدگی پیدا ہوئی۔

اس جھگڑے میں خلاف دستور پولیس والے مار کھا گئے، اس سے متاثر ہوکر کلکٹر اور ایس پی نے انتقام لینے کے لئے کرفیو لگا کر پولیس اور پی، اے، سی سے لگاتار کئی دن تک پرامن شہریوں کو جن کا اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہ تھا خوب پٹوایا، گھروں میں گھس گھس کر لوٹ مار کی گئی، تھانے پر لاکر کلکٹر اور ایس، پی وغیرہ کے سامنے لوگوں کو بڑی بیدردی سے پیٹا گیا اور بے گناہ لٹے پٹے ہوئے لوگوں پر مختلف سنگین دفعات مقدمات بنائے گئے، کلکٹر اور ایس پی نے اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے مئو میں فرقہ وارانہ فساد کرانے کی کوشش کی، لیکن مئو کے ہندو اور مسلمانوں نے ہر کوشش کو ناکام بنادیا مئو میں کسی طرح کی کوئی کشیدگی نہ ہونے کے باوجود بلاوجہ پی اے، سی

کی کئی کمپنیوں کو روک رکھا گیا ہے، تاکہ گورنمنٹ اور ناواقف لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ صوبہ میں کشیدگی ہے"

۱۹۶۴ء کے فساد پر مولانا کا تاثر اسی طرح مولانا مرحوم نے ۱۹۶۴ء کے فساد راوڑ کیلا اور جمشید پور کے سلسلہ میں اس وقت کے مرکزی وزیر داخلہ گلزاری لال نندا کو ایک لمبا خط لکھا تھا، اور حکومت کی غلطیوں کی نشاندہی کی تھی، اس کے بھی چند جملے ملاحظہ فرمائیں، لکھتے ہیں۔

"آپ سوچیں کہ کلکتہ کے ہنگاموں کے بعد ہم نے اپنے ملک کی اقلیت کی حفاظت کا جو اعلان کیا تھا، اڑیسہ اور بہار کے ان ہنگاموں کے بعد اس کی کیا قیمت رہ گئی اور دنیا ہماری سچائی کا کیسے یقین کرے گی۔

جناب والا! موجودہ حالات کا بہمہ جہت بھرپور مطالعہ کر کے فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ہم ملک کے ہندو اور مسلمانوں کو دو نیشن مانتے ہیں، یا ایک، اگر خدانخواستہ ہمارا فیصلہ یہ ہو کہ ہندو اور مسلمان دو الگ الگ نیشن ہیں اور مسلمان ہندوستان کے شہری ہونے کے باوجود اجنبی ہیں تو ہمت سے کام لے کر تبادلہ آبادی کا فیصلہ کرنا چاہیئے"

اس تحریر سے اندازہ لگایا جائے کہ مولانا کے سوچنے کا انداز کس قدر واضح اور غیر جانبدارانہ تھا، اور آپ کس تیزی سے مسئلہ کی تہ تک پہنچ جاتے تھے، اور پھر اسے ذمہ داروں پر کس جرأت اور سچائی کے ساتھ واضح کر دیا کرتے تھے۔

علماء اور دانشوروں کے نام سوالنامہ ادھر اخیر دور حیات میں چند سال پہلے آپ نے ایک سوالنامہ ملک کے دانشوروں اور علماء کے نام جاری کیا، وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے اور اس سے بھی مولانا کے انداز فکر پر روشنی پڑتی ہے، اس سوال نامہ کے ساتھ یہ خط بھی لکھا تھا۔

مکرمی۔

آزادی کے بعد ملک میں مسلمانوں کے قتل و غارتگری کا شکار بنانے کا جو سلسلہ چل رہا ہے، یا چلایا جا رہا ہے، اس کو فرقہ وارانہ فساد سمجھنا یا کہنا

بہت بڑا فریب اور شر انگیز جھوٹ ہے۔

فساد میں دو گروپ لڑتے ہیں ایک مارتا ہے، دوسرا مارا جاتا ہے، لیکن فساد سے بے تعلق و بے خبر آدمی کبھی کسی فساد میں مارا نہیں جاتا، نہ فسادی غیر متعلق لوگوں کی جائداد پر حملہ کرتے ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ ہنگاموں میں بے خبر اور غیر جھگڑالو مسلمانوں کا قتل عام ہوتا ہے اور بلا امتیاز ہر مسلمان کا گھر لوٹا اور جلایا جاتا ہے، ان ہنگاموں میں بے قصور مسلمانوں کے خلاف تشدد اور سفاکی کا ایسا بھیانک مظاہرہ ہوتا ہے، جس کی مثال نہیں پیش کی جا سکتی، اب تک پبلک اور گورنمنٹ کی ہر تدبیر قطعًا ناکام ہے اور آئندہ بھی ان تدبیروں کا ناکام ہونا یقینی ہی ہے اسلئے میں اس عریضہ کے ذریعہ جناب سے چند باتوں کا جواب چاہتا ہوں، اور انسانیت اور امن دوستی کے نام پر درخواست کرتا ہوں کہ ان باتوں کے متعلق آپ اپنی صاف، اور واضح رائے تحریر فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

(۱) ہندوستان کے یہ فساد ہندو مسلم جھگڑے اور فساد ہیں، یا مسلم کُشی کی تحریک؟ قرائن و شواہد کی روشنی میں رائے ظاہر فرمایئے۔

(۲) ملک کی سیاسی پارٹیاں ان فسادوں کو ناپسند کرتی ہیں اور ان کو نقصان دہ مانتی ہیں؟

(۳) سیاسی پارٹیوں نے پارٹی لائن پر اب تک ان فسادوں کو ختم کرنے کی کوئی کوشش کی؟ مفصل رائے مطلوب ہے۔

(۴) اگر سیاسی پارٹی یا پارٹیوں نے کوئی کوشش کی تو وہ ناکام کیوں ہیں؟

(۵) مرکزی اور صوبائی حکومتیں ان فسادوں کے خلاف ہیں اور ان کو بند کرانا چاہتی ہیں؟

(۶) اب تک کوئی صوبائی حکومت اپنے صوبہ میں فساد ختم کرنے کی کیا تدبیر

کررہی ہیں ۔

(۷) حکومتوں کی کوئی کوشش کامیاب ہوئی؟ اگر نہیں تو کیوں ؟

(۸) ملک کا قانون فوجداری اور پولیس ایکٹ صوبائی حکومتوں کو امن شکنی اور قتل وغارتگری روکنے کے لئے پورے اختیارات دیتا ہے یا نہیں ؟

(۹) اگر دیتا ہے تو کبھی کسی حکومت نے ان اختیارات کا پورا استعمال کیا، اور نتیجہ کیا رہا ؟

(۱۰) گورنمنٹ ہر شہری کے جان ومال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہے یا نہیں؟

(۱۱) مسلمانوں کے معاملہ میں گورنمنٹ کو اپنے فرائض کا احساس کیوں نہیں ہے؟

(۱۲) کوئی چور، قاتل اور لٹیرا، اپیل اور خوشامد سے اپنے جرم سے دست کش ہوسکتا ہے یا نہیں ؟

(۱۳) آپ کے نزدیک اس مسلم کُشی کا سلسلہ بند کرنے کی کوئی تدبیر ہے ؟

نوٹ :- یہ سوالات اوران کے جوابات اشاعت اور پروپگنڈے کے لئے استعمال نہیں ہوں گے ۔

عبداللطیف نعمانی

مولانا کا یہ کھلا ہوا انداز فکر ہے جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا، اب تک اس سوالنامے کے جوابات کا فائل ہاتھ نہیں آیا ہے ۔

مئو کی چیرمینی اور مولانا نعمانی یہ بات کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مولانا نے چیرمینی کا عہدہ ہمیشہ احباب اور دوستوں کے دباؤ سے قبول کیا، مولانا کو اس کا شوق نہیں تھا، وہ اس سے ہر قیمت پر بچنا چاہتے تھے، مگر خواص انھیں مجبور کردیتے تھے، اور غالباً مولانا بھی محسوس کرتے تھے کہ کسی اور پر سبھوں کا اجتماع نہ ہوسکے گا، اس لئے جبراً قہراً انھیں یہ عہدہ قبول کرنا پڑتا تھا، چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے خط میں لکھتے ہیں ۔

"میں شروع ہی میں کہہ چکا ہوں کہ مجھے اپنے مشاغل سے اتنی فرصت نہیں ملتی ہے کہ میں میونسپل بورڈ کی ذمہ داری سنبھال سکوں، لیکن اپنے

لوگوں کی بات رکھنے کے لئے میں نے یہ بوجھ اٹھالیا، چند ماہ گذار کر میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بورڈ کا پورا عملہ نکما اور ناقابل اعتماد ہے، اور بورڈ مالی اعتبار سے اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اس کو سنبھالنے کے لئے بڑی چوکسی اور برداشت درکار ہے"

اخیر میں لکھتے ہیں۔

"آپ لوگ کسی دوسرے کو یہ بوجھ سپرد کر کے اس الجھن سے مجھ کو اور سب کو نجات دلادیں تو بہت اچھا ہو"

طلبہ کے متعلق مولانا کی رائے

یوں مولانا مرحوم بہت کم خط لکھا کرتے تھے، مشکل سے مہینہ میں دو چار خط لکھتے ہوں گے مگر مولانا کی یہ خصوصیت تھی کہ جو لکھتے تھے بہت صاف اور واضح لکھتے تھے، ایک دفعہ ایک جاننے والے نے کسی لڑکے کے متعلق داخلہ کے سلسلہ میں دریافت کیا، تو جواب میں تحریر فرمایا۔

"مفتاح العلوم میں دورۂ حدیث شروع کرادیا گیا ہے، حافظ امتیاز صاحب کو شرکت کا خیال ہو تو فوراً تشریف لانا چاہئے۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ دورۂ حدیث میں شرکت کے لئے عربی عبارت پڑھنے اور اس کا ترجمہ کرنے کی استعداد ضروری ہے، ورنہ دورہ پڑھنے کا کیا فائدہ ہوگا، اگر امتیاز صاحب یہ استعداد رکھتے ہیں تو داخلہ ضرور ہوگا، بھیجدیجئے"

اسی طرح ایک اور شاگرد کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"دیکھو مولانا! پڑھنا ہے تو بھیجو اور پہلے ہی یہ قبول مت کراؤ کہ کیا پڑھاؤ گے، جیسی استعداد ہوگی، اسی کے مناسب اسباق تجویز ہوں گے"

محبت و خلوص اپنی جگہ مگر جو فریضہ ہے اسے صفائی سے پیش کرنے میں آپ نے کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

خاکسار کے سامنے اس وقت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند خطوط اور مضامین تھے

جو مولانا کی وفات کے بعد مولانا کے قلم کے لکھے ہوئے کاغذات سے برآمد ہوئے ہیں جسے سامنے رکھ کر یہ چند چیزیں پیش کی گئی ہیں، جب کبھی مولانا کے مکاتیب کا مجموعہ شائع ہوگا، اس وقت ساری چیزیں انشاء اللہ سامنے آئیں گی۔

اس میں قطعاً شبہ نہیں مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی ذات سے ایک انجمن تھے، آپ ایک دور اندیش، معاملہ فہم، مدبر اور ملکی وملی مسائل سے دلچسپی رکھنے والے بزرگ تھے، مولانا جو کہتے تھے وہی کرتے تھے اور جو کرتے تھے وہی بیان کرتے تھے، مدارس دینیہ اور نوجوان علماء کی طرف سے بھی فکرمند تھے کہ مستقبل کیا ہوگا، چونکہ مولانا میں چستی اور عزم وحوصلہ تھا، اس لئے وہ نوجوان علماء میں ان چیزوں کو نہ پاکر بجا طور پر سوچتے تھے، وہ یہ بھی فرماتے تھے کہ نئی نسل میں علمی ذوق، محنت وکاوش کا جذبہ اور ارادے کی پختگی جیسی چاہئے نہیں پیدا ہو رہی ہے۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور آپ کے پس ماندگان علمی اور جسمانی کو آپ کا صحیح جانشیں بنائے۔

(بقیہ صفحہ کا) ہو یا بڑا، اپنوں کا ہو یا غیروں کا، جو قابو کا ہوا، وعدہ کیا یا ذمہ لیا، ورنہ فوراً معذرت کردی، فکرو پریشانی ان کے پاس سے ہو کر نہیں گذرتی تھی ..... اشاروں لفظوں میں ہفتوں کی محنت کا کام نکال لیتے تھے، موافقین ومخالفین کا یہ اعتراف سنا کہ غضب کی بیباکی اور بے پرواہ اور سکون وفراغت کی زندگی حاصل ہے، ہزاروں علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں، اور بڑی اہم خدمت کر رہے ہیں۔ موزونیت طبع اس طرح دیکھی کہ بچوں میں ان کے ذوق کی گفتگو فرما رہے تھے، طلبہ ومدرسین میں ان کے ذوق کی، سیاسی لیڈروں میں ان کے ذوق کی، اور حکام میں ان کے انداز کی، .... ایسا مناسب سوچنے والا عالم، محدث، چیرمین، خادم عوام اور منصف مزاج اس دار فانی سے دار بقا کو راہی ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت الاستاذ نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(از: مولانا محب اللہ مفتاحی مدرس مدرسہ امداد العلوم جھار مہوی چمپارن)

جس طرح کائنات کا یہ نظام ایک آئین تکوینی کے تحت چلتا ہے، اسی طرح خدائے عزوجل کا قدیمی دستور ہے کہ جب دنیا میں اس کو کسی خاص مقصد کی تکمیل منظور ہوتی ہے تو وہ اس کے لئے بنی نوع انسان کے کسی فرد کو منتخب کرتا ہے، ان منتخب انسانوں میں سب سے اعلیٰ وارفع درجہ پیغمبروں کا ہوتا ہے، وہ شریعت خداوندی کے حامل ہوتے ہیں، ان کی لائی ہوئی شریعت کی تجدید کے لئے حسب ضرورت دوسری برگزیدہ ہستیاں بھی پیدا کی جاتی ہیں، اسی طرح اگر مشیت الٰہی کو کسی اہم کام کی تکمیل منظور ہوتی ہے تو اس کے لئے بھی کسی کو غیب سے کھڑا کر دیتی ہے، غالباً انھیں مردان غیب میں حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ بھی تھے۔

جب یہ خبر ملی کہ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کا ۶ر جنوری کی شب میں اچانک حرکت قلب کے بند ہوجانے سے انتقال ہوگیا، اس وقت مجھے یقین نہیں آیا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ صحت منداور توانا ہیں، اخبار و خطوط کی خبر کوئی ضروری ہے کہ صحیح ہی ہو، مگر فوراً ذہن نے پلٹا کھایا اور قرآن پاک کی اس آیت پر نظر پڑی، کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ط

حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کی ذات گرامی کوئی محتاج تعارف نہیں ہے، ہر شخص آپ کی زندہ جاوید شخصیت سے واقف ہے، ایک طرف اگست ۱۹۴۷ء تک جنگ آزادی میں برابر شریک رہے، سیاست کے مرد مجاہد کہے جاتے تھے اور اس کی گتھیوں کو سلجھاتے رہتے تھے اور ۴۷ء کے بعد مسلمانوں پر جب بھی کوئی آفت آئی یا وہ ظلم وجور کے شکار ہوئے تو آپ نے ڈٹ کر اس کے خلاف آواز

بلند کی۔

مئوناتھ بھنجن کی سرزمین نے جہاں شیخ الحدیث حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی جیسی معروف و مشہور شخصیت کو پیدا کیا جو آج بحمد اللہ موجود ہیں، اسی سرزمین نے حضرت الاستاذ مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی جنم دیا، جو ہر فن میں یکتائے روزگار تھے، جامعہ مفتاح العلوم کے منصب صدارت پر مولانا موصوف کے بعد فائز رہ کر صحیح بخاری اصح الکتب بعد کتاب اللہ اور دوسری معیاری کتابوں کا اپنی زندگی کے اخیر لمحہ تک درس دیتے رہے منطق و فلسفہ کے آپ امام سمجھے جاتے تھے اکثر کتابیں آپ کو زبانی یاد تھیں، کوئی شخص جہاں اور جس جگہ سے بھی ان کتابوں میں سے کوئی عبارت پڑھ کر سوال کرتا، آپ فوراً اس کا جواب دیتے اور خدا نخواستہ اگر کوئی غلط عبارت پڑھتا تو برجستہ فرماتے ایسے نہیں ایسے ہے، اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ غضب کا دے رکھا تھا، جو چیز ایک بار سن لیتے وہ بہت دنوں کے لئے آپ کو یاد ہو جاتی،

ایک مرتبہ بخاری شریف کے سبق کے درمیان بعض طلباء نے کہا، حضرت منطق و فلسفہ کی کون کونسی کتابیں آپ نے پڑھی ہیں، فرمایا مت پوچھو، اور اس کے بعد پھر آپ نے شمار کرانا شروع کیا تو سننے والے حیرت زدہ رہ گئے اور منھ دیکھنے لگے، پھر چند منٹ کی خاموشی کے بعد آپ نے فرمایا، ہم لوگوں کا علم کیا رہے گا، امام بخاری جن کی صحیح بخاری تمہارے اور میرے سامنے ہے، انھیں ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد تھیں، چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے اپنی یہ کتاب بخاری شریف لکھی ہے جس میں سات ہزار دو سو پچھتر حدیثیں ہیں، پھر ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ جب کوئی غریب لفظ حدیث میں مل جاتا ہے اور اس کی نظیر قرآن حکیم میں موجود ہے تو ایسی صورت میں اس کی وضاحت کے لئے امام صاحب مفسرین کا قول ضرور نقل کر دیتے ہیں، کبھی باب کی مناسبت سے آیات قرآنی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں جس کی مثالیں کتاب التفسیر اور بدأ الخلق میں بکثرت ہیں، ساتھ ہی امام صاحب نے اپنی کتاب میں فقہی مسائل اور

حکیمانہ نکتوں کا بھی خیال رکھا ہے، پھر استاذ محترم نے فرمایا کہ بعض لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو کتاب التوحید پر ختم کیا، اس لئے کہ توحید ہی حقیقتاً آخرت کے دن کامیابی اور ناکامی کا ذریعہ ہو سکتی ہے، اور اس کی ابتدا، امام صاحب نے انما الاعمال بالنیات کی حدیث سے فرمائی!

بہرکیف علمی اور عملی دونوں طرح سے بڑی جامع شخصیت کے آپ مالک تھے۔ حساس دل رکھتے تھے، جو کام کرتے اس پر پوری طرح حاوی ہو جاتے حضرت الاستاذ فرماتے تھے، زندگی حرکت کا نام ہے، چنانچہ خود آپ بھی اس حرکت کا مکمل نمونہ تھے مشکل سے مشکل کام اپنے حسن تدبیر سے آسان بنا لیتے تھے، ادھر کئی سال سے یکسو ہو کر جامعہ مفتاح العلوم کو آپ نے انتہائی عروج و ترقی پر پہنچایا، یہ ہمیشہ آپ کی یاد تازہ کرتا رہے گا، آپ کی پوری زندگی عمل اور فکر کا ثبوت ہے، کامیابیاں ہمیشہ آپ کے قدم چومتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ باشندگان مئو کو آپ پر پورا یقین اور مکمل بھروسہ تھا، بغیر آپ کے مشورہ وہاں کوئی قدم نہیں اٹھتا تھا۔

ایک مرتبہ استاذ محترم نے سالانہ امتحان کے موقع پر امتحان سے دو ڈھائی ہفتہ پہلے اعلان فرمایا" اس مرتبہ امتحان سختی سے لیا جائے گا اور یہی دستور ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا، اس لئے کہ امتحان میں سختی نہ کرنے کی وجہ سے تمام لڑکے بے فکر ہوتے جا رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ امتحان میں کسی طرح سے پاس کر لینا کافی ہے، پھر کتابوں کے پڑھنے اور اس پر محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس لئے میں نے سوچا ہے کہ امتحان میں ہر ممکن سختی کی جائے تاکہ لڑکے کتابوں کے دیکھنے اور اس پر محنت کرنے کے عادی ہو جائیں، میرا مقصد صرف پرورش نہیں ہے یا صرف ڈگری اور ڈپلوما دیدینا نہیں ہے، میں چاہتا ہوں کہ جو لڑکے یہاں سے جائیں وہ کامیاب زندگی لے کر جائیں"

یہ سنتے ہی لڑکوں میں انتہائی بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور اس معاملہ میں متحد ہو کر بیٹھ گیا کہ کوئی لڑکا امتحان میں شریک نہ ہو، بلکہ ہر طرح سے امتحان کو ناکام

بنانے کی سعی کی جائے، اس سلسلہ میں پوسٹر نکالا جائے اور دفتر کے دروازے پر لگایا جائے اور ہوا بھی یہی، مگر استاذ محترم کو جب اس کی خبر ہوئی کہ لڑکوں نے پوسٹر نکالا ہے، تو لڑکوں کو مدرسہ کے ایک بڑے کمرہ میں جمع کیا اور فرمایا دیکھو تمہارے اس پوسٹر اور اشتعال سے کچھ نہیں ہوگا، میں نے یا اراکین مدرسہ نے جو سوچ رکھا ہے وہی ہوگا۔ لڑکوں کے جانچ پڑتال کے لئے ہر دور میں امتحان ہی ترازو رہا ہے، جب بھی ان پر کڑی نگاہ رہی کامیابی وکامرانی ان کے ساتھ رہی، اس لئے میرے سوچنے یا امتحان میں سختی کرنے کا مقصد ہرگز وہ نہیں ہے جو تم اپنے طور پر سوچ رہے ہو۔ میں چاہتا ہوں تمہاری زندگی کامیاب زندگی ہو، تم سے دین کی صحیح روشنی دوسروں تک پہنچ سکے، اس لئے تم امتحان سے ہرگز نہ گھبراؤ، اور تمہارے ذہن میں جو غلط بات پیدا ہوگئی ہے اس سے اپنے ذہن کو صاف کرلو، مگر یہ جماعت کب کسی کی سنتی ہے جس بات پر اٹل ہوجاتی ہے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح اس کو کرہی ڈالتی ہے، آخر امتحان کے موقع پر شور ہنگامہ کیا نعرے بھی لگائے، مگر مولانا اس سے بالکل متاثر نہیں ہوئے بات وہی ہوئی جو استاذ محترم نے فرمائی تھی۔

جامعہ میں طلباء کی ایک اپنی خاص انجمن ہے، جس میں دو ڈھائی ہزار کے لگ بھگ کتابیں بھی ہیں جس سے جامعہ کے طلباء استفادہ کرتے ہیں اور پھر ہر جمعہ کی شب میں ان کا ایک ہفتہ وار جلسہ بھی ہوتا ہے، جس میں جامعہ کا ہر طالب العلم حصہ لیتا ہے، ایک مرتبہ طلباء کے ہفتہ وار جلسہ کے موقع پر بغیر کسی ارادہ کے گھومتے پھرتے استاذ محترم تشریف لے آئے جلسہ گاہ طلباء سے بھری ہوئی تھی، دیکھ کر اپنی خوشی کا اظہار کیا، اور کچھ دیر کے بعد عام فہم طریقہ پر طلباء سے فرمایا۔

اے عزیز نوجوان طلباء! تم ملت کے چشم وچراغ ہو، قوم وملت کی ساری ذمہ داریاں تمہارے ہی جیسے نوجوانوں سے وابستہ ہیں، تحریکوں کو درحقیقت تم ہی سے بڑھاوا ملتا ہے، اگر تم قومی زندگی سے کنارہ کش ہوجاؤ تو پھر قوم کی حیثیت ایک مردہ جسم کی سی ہوجائے، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک قوم وملت میں

تم جیسے نوجوان ہوتے ہیں، اس وقت تک وہ ترقی کرتی رہتی ہے، مگر جب کبھی نوجوان ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں، یا تمہارے نوجوان بھائیوں پر غنودگی طاری ہو جاتی ہے تو قوم وملت کے ترقی کی راہ بند ہو جاتی ہے، یہ ایک اصول ہے جو ہر قوم اور ملت کی تاریخ میں صحیح ثابت ہوا ہے، اسلام کی تاریخ بھی اس اصول کی تائید کرتی ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو آگے بڑھانے والے لوگ عموماً نوجوان ہی تھے، زمانہ کی آنکھوں نے دیکھا کہ جب یہ جوان اسلام کو اپنے دل و دماغ میں بسا کر اٹھے تو انھوں نے اللہ کے پیغام کو کتنے ہی ملکوں میں پھیلایا اور اپنی ان تھک کوشش سے اسلامی نظام حیات کو عملاً قائم کر کے دکھایا۔

اس لئے تم کیوں کھوئے کھوئے سے نظر آتے ہو، تم بھی اپنے اندر وہی ہمت وجوانمردی پیدا کرو، اور زیور علم سے اپنے کو آراستہ کرو، تاکہ آگے چل کر قوم وملت کے مصلح بن سکو،

آخر میں اپنی باتوں کو علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم فرمایا۔ ؎

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

مولانا نعمانیؒ کا وصال

(ایک خط جو خاکسار مرتب کے نام موصول ہوا)

(از:۔ مولانا عبدالجبار صاحب مدظلہ استاذ حدیث مفتاح العلوم مئو)

عزیز مکرم سلمہ اللہ تعالیٰ! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اس المناک حادثہ کے متعلق جو آپ نے اپنے تاثرات وکیفیات لکھے ہیں حقیقت میں ہمارے حالات کی ترجمانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور استاذ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائیں۔

حضرت مرحوم بالکل بیمار نہیں تھے، دن میں تمام مدرسین مدرسہ وشاخ کو چرم اضحیہ کی تحصیل پر تاکید کرنے کے لئے بلایا اور اپنے لئے بھی ایک محلہ میں جانا تجویز کیا، اور فرمایا کہ کل سے سب مدرسین اپنے اپنے حلقہ میں کام شروع کر دیں، اسی مجلس میں یہ بھی فرمایا کہ بعض مدرسین اپنی کوئی ضرورت میرے پاس لاتے ہیں اور میں سختی سے پیش آجایا کرتا ہوں تو مجھے اس باب میں معاف فرماتے رہیں گے، کیونکہ میں اپنی عادت سے مجبور ہوں، آپ لوگ میرے اس فعل سے ہرگز بددل نہ ہوا کریں، انشاءاللہ میں سب کی ضرورت پوری کروں گا،

دن کے تمام معمولات میں خوش وخرم نظر آئے، شام کو روضہ والی مسجد میں نماز مغرب ادا کر کے چاند دیکھنے میں مصروف ہوگئے، پھر بازار سے شلجم لے کر مدرسہ واپس گئے، نماز عشاء کے بعد ۱۰ بجے تک مطالعہ کتب حدیث میں مشغول رہے، شاید اس کے بعد تکلیف محسوس کی، مولوی اشفاق (مدرس جامعہ) کے کمرہ کے پاس جاکر ان کو جگایا، مولوی اشفاق دروازہ کھول کر باہر نکلے تو دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں لوٹا ہے اور جھکے جا رہے ہیں، انھوں نے آپ کو سنبھالا اور کمرے کے اندر لے گئے، ان سے فرمایا میرا

حال ٹھیک نہیں فوراً کسی ڈاکٹر کو لاؤ، ڈاکٹر لانے میں رات کی وجہ سے کچھ دیر لگی، ڈاکٹر کے پہنچنے کے پہلے ہی حضرت مرحوم واصل بحق ہو گئے، ڈاکٹر نے بھی دیکھ کر یہی فیصلہ کیا۔

جو طلبہ آخری وقت میں ان کے پاس تھے ان کا بیان ہے۔ بس یہ فرمایا کہ "میرے لئے دعائے مغفرت کرنا اور کل میری نماز جنازہ پڑھنا۔

بارہ بجے رات کو مجھے خبر ملی فوراً مدرسہ پہنچا ان کے لڑکے مولوی حبیب الرحمٰن نعمانی وغیرہ اور بہت سے لوگ موجود تھے، میں نے لحاف سر سے ہٹایا تو ایسا معلوم ہوا کہ سو رہے ہوں،

قصبہ کے باشندگان میں جس کو رات میں خبر ملی فوراً مدرسہ پہنچا، گویا رات بھر یہ سلسلہ جاری رہا، اتفاق سے حضرت مولانا[1] مدظلہ مئو میں تشریف فرما نہیں تھے، مالیگاؤں سے واپسی میں ناگپور ہوتے ہوئے کلکتہ میں اس دن تشریف فرما تھے، ارکان مدرسہ کی رائے ہوئی کہ رات میں ان کو فون سے اطلاع کی جائے، اور کہا جائے ہوائی جہاز سے بنارس آجائیں تاکہ جنازہ میں شرکت ہو جائے، اسی وقت مولانا منظور نعمانی، مولانا عبدالستار ندوہ، مولانا محمد ایوب ڈابھیل، وزیر اعلیٰ لکھنؤ، ان کے لڑکے ضیاء الرحمٰن کو بمبئی اور آپ کو دیوبند فون اور تار دیا گیا، سوء اتفاق کہ حضرت مولانا مدظلہ کی قیام گاہ کا فون خراب تھا، پھر دوسرے دن نو بجے اطلاع ہوئی جب کہ ہوائی جہاز کا وقت نکل گیا تھا، مجبوراً دفن کے دوسرے دن دس بجے دن کو مئو پہنچے

مولانا مرحوم کے جنازے میں لگ بھگ چالیس ہزار آدمیوں نے شرکت کی اس سے پہلے کسی کے جنازے میں اتنا ہجوم نہیں ہوا تھا، سحر کے وقت مولانا کی نعش گھر والے اپنے یہاں لے گئے اور وہیں پر جسد خاکی کو آخری غسل دے کر تکفین کے بعد جنازہ بارہ بجے دن میں مدرسہ کے صحن میں لایا گیا، بعد نماز ظہر نماز جنازہ پڑھی گئی مٹی ڈالنے میں وہ ہجوم تھا کہ عصر کے قریب فاتحہ خوانی ہو سکی۔

[1] یعنی حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی سرپرست مفتاح العلوم (مرتب)

مدرسہ کی عمارت کے بعد مغربی جانب اسی سے متصل تھوڑی سی مثلث زمین خالی پڑی تھی جو مدرسہ کی ضرورت سے زائد تھی، شاید آپ کے ذہن میں اس کا نقشہ ہو جس زمین پر طلبہ کشتی لڑتے تھے اسی زمین کے اتری جانب آپ کا مرقد بنایا گیا (نور اللہ مرقدہ)

تیسرے روز کمیٹی منتظمہ نے باتفاق رائے پاس کیا کہ اب حضرت مولٰنا[1] مدظلہ مدرسہ کے مہتمم اور صدر مدرس کے کام انجام دیں گے۔

مولانا اس وقت پوری طرح مدرسہ کی جانب متوجہ ہیں، نماز جمعہ کے بعد عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"مولانا مرحوم نے میری ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی اس وجہ سے میں مدرسہ کی ذمہ داری سے بڑی حد تک سبکدوش تھا، اب جب کہ میرے سوا کوئی مدرسہ کا سنبھالنے والا نہیں رہا، تو اس کا بار میں اپنے اوپر محسوس کرتا ہوں، لہذا اس کا تعلیمی اور انتظامی کام حتی المقدور میں انجام دوں گا البتہ تمام لوگوں کا تعاون میرے ساتھ ہونا چاہئے"۔

آج مدرسہ کھل گیا، حضرت مولانا تشریف لائے، طلبہ کو بتایا کہ کل سے بخاری شریف کا درس شروع ہوگا اور کل ہی دوسرے اسباق کا نظم بھی ہوگا۔

---

[1] شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ (مرتب)

(بقیہ ص۸۵ کا) ہے کہ میری موت اچانک ہوگی" پھر ایک دن قیام حیدرآباد میں بھی فرمایا "حافظ جی میری موت اچانک ہوگی" چنانچہ یہی ہوا۔

۳۱ دسمبر ۱۹۶۲ء کو ۶½ بجے شام میں حیدرآباد سے واپس مئو پہنچے، ٹرین سے اتر کر مولانا کو چکر آیا مگر پھر بالکل اثر نہیں رہا، اپنے فرائض انجام دیتے رہے تاآنکہ اجل مسمیٰ نے کام تمام کر دیا۔

یادوں کے سائے

(از:- حافظ عبدالقیوم صاحب مئو)

۱۸ر دسمبر ۲۶ء کو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ میرے لڑکے محمد عمران اعظمی مصحح دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدرآباد کی شادی کے سلسلہ میں ہم لوگوں کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہوئے، راستہ میں معلوم ہوا کہ مولانا کا سوٹ کیس رہ گیا، جس میں دھلے ہوئے کپڑے وغیرہ تھے، مولانا نے فرمایا حیدرآباد پہنچ کر ایک جوڑے کپڑے بنوالیے جائیں گے۔

ٹرین میں اچانک حافظ ابو یوسف ایم، ایل، سی حیدرآباد مولانا نعمانیؒ سے آکر ملے، خود تعارف کرایا کہ میں آپ کا ناچیز شاگرد ہوں مجھے ابو یوسف کہتے ہیں، مولانا نے ان کو اپنی سیٹ پر بٹھالیا، اور مجھ سے فرمایا انہی کے متعلق میں نے کہا تھا کہ وہاں ڈھونڈنا ہے، زحمت سے بچ گئے، ان کی وجہ سے ہم لوگوں کا سفر بڑی آسانی سے طے ہوا، آدمی دلچسپ تھے، اور دیکھنے میں مولانا سے بھی زیادہ سن رسیدہ، حافظ صاحب کو معلوم ہوا کہ شروانی رہ گئی ہے تو انھوں نے اپنی طرف سے شروانی سلوانے کی پیش کش کی جسے مولانا نے خوش اسلوبی سے ٹال دیا۔

حیدرآباد پہنچ کر مولانا نے دائرۃ المعارف عثمانیہ، عثمانیہ یونیورسٹی اور وہاں کے متعدد کتب خانے دیکھے، ناظم دائرۃ المعارف ڈاکٹر عبدالمعید خاںؒ مولانا سے بڑی گرم جوشی سے ملے اور دیر تک باتیں کیں، مخطوطات کا ذخیرہ مولانا نے بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

حافظ ابو یوسف صاحب کے اصرار پر مکہ مسجد میں آپ نے تقریر بھی فرمائی جو انسانی فضائل پر تاریخی تقریر تھی جسے سامعین نے بہت پسند کیا، تعارف کراتے ہوئے حافظ صاحب نے فرمایا آپ جامعہ مفتاح العلوم مئو کے امیر الجامعہ اور شیخ الحدیث ہیں

ؒ ڈاکٹر صاحب بھی ۲۵ر ستمبر ۳۰ء کو رحلت کر گئے، انا للہ الخ (مرتب)

اور میرے شفیق ترین استاذ، مولانا ہندوستان کی مایۂ ناز علمی شخصیت ہیں، بلاشبہ مولانا چاند ہیں اور ہم تلامذہ ان کی چاندنی۔

اسی مکہ مسجد میں مولانا افضال الحق قاسمی اعظمی آکر ملے اور مولانا کو اپنے مدرسہ دارالعلوم رحمانی لے گئے، جو شہر کے ایک محلہ میں واقع ہے، مولانا ہم لوگوں کے ساتھ سالار جنگ میوزیم بھی گئے، یہاں بھی دلچسپی سے قلمی نادر کتابیں دیکھیں، بالخصوص کلام پاک کے نایاب نسخے۔

حیدرآباد میں آپ نے مولانا ابوالوفا افغانی سے بھی ملاقات کی، مولانا افغانی نے آپ کی بڑی قدرومنزلت کی، اور دیر تک مسائل پر گفتگو کرتے رہے، مولانا نے وہاں سے کچھ کتابیں بھی خریدیں، اسی مجلس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی اور مولانا عبدالجبار صاحب کا تذکرہ بھی آیا۔

بمبئی مسلم پرسنل لا کنونشن میں شرکت کا ارادہ تھا، مگر مولوی عمران نے ان کا ٹکٹ نہیں بنوایا تھا اور پھر درخواست بھی کی کہ اس وقت وہاں جانا ملتوی فرمائیں، میری شادی میں آئے ہیں میری دعوت ولیمہ میں بھی شریک ہوں، مجبوراً ارادہ ملتوی کرنا پڑا حالانکہ اپنے لڑکے ضیاء الرحمٰن انجینیر کو جو بمبئی میں تھے آمد کی اطلاع دے چکے تھے۔

مولوی عمران کے نکاح کے بعد مولانا کی اس موضوع پر بڑی عمدہ تقریر ہوئی، یہاں مولانا سے بہت سارے اہل علم اور معززین شہر نے ملاقات کی۔

حافظ ابویوسف صاحب نے مولانا کی بڑی شاندار دعوت کی جس میں ہم تمام لوگ شریک تھے، یہاں احترام استاذ کا جو منظر دیکھا شاید پھر دیکھنے میں نہیں آئے، حافظ صاحب کے ایک صاحبزادے جو ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ہیں، انھوں نے مولانا کا ہاتھ دھلوایا، دوسرے صاحبزادے جو انجینیر ہیں اور امریکہ سے ڈپلوما لے کر واپس آئے ہیں، انھوں نے تولیہ دیا کہ ہاتھ صاف کریں۔ یہاں بکرے کی مسلّم زبانوں کا سالن ہمارے لئے بالکل نئی چیز تھی،

مولانا نعمانی کا نام سن کر کچھ عربی ممالک کے فضلا، اور ذمہ دار جو حیدرآباد آئے

ہوئے تھے، آکر مولانا سے ملے، اور دائرۃ المعارف کے ذی علم ذمہ دار علماء بھی، اور حیدرآباد کے چیف جسٹس وغیرہ بھی آکر ملے۔

مولانا نے حیدرآباد کے نہرو زندہ عجائب گھر اور عثمان ساگر کو بھی دیکھا، مرزا منور علی بیگ ایڈوکیٹ ہائی کورٹ نے آپ کو شاندار عصرانہ دیا، جس میں ہم سب اور شہر کے معززین شریک ہوئے، حافظ منزل میں مولانا کی تقریر ہوئی، اخیر میں چلنے سے ایک دن پہلے مولانا نے حکیم قاضی محمد حمید الدین ایلوری سے اپنا طبی معائنہ کرایا، حکیم صاحب نے بغور مولانا کی نبض دیکھی اور پوچھا کیا جناب کو چکر کی شکایت ہے؟ مولانا زور سے ہنسے اور فرمایا مجھے یاد نہیں کہ زندگی میں کبھی مجھے چکر آیا ہو، حکیم صاحب کچھ خفیف سے ہوئے، حکیم صاحب نے پھر فرمایا مولانا آپ کے بدن کی سب مشنری ٹھیک ہے، ابھی آپ چالیس سال جئیں گے۔ مولانا نے سنجیدگی سے کہا چالیس نہیں دس سال۔

۲۸ر دسمبر ۷۲ء جمعرات کے دن طبی معائنہ کے وقت آپ نے یہ بات کہی تھی، اور ٹھیک دسویں دن ۶ر جنوری ۷۳ء سینچر کو شب میں پونے گیارہ بجے دس سال کی مدت دس دنوں میں پوری کر کے چل بسے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ مولانا نے حیدرآباد میں دس ہی دنوں قیام کیا، بقرعید سے دس دن قبل وفات پائی، اور رات میں دس بجے کے بعد، مولانا کے سات لڑکے اور دو لڑکیاں بقید حیات ہیں بشمول اولاد مولانا اپنی حیات میں دس تھے، اہلیہ کا انتقال پہلے ہو چکا تھا، مولانا کی عمر ۷۳ سال تھی، عمر کے ان دونوں ہندسوں کو جوڑا جائے تو حاصل جمع دس ہے، مولانا کی عمر اور سنہ وفات میں ۷۳ کے اعداد مشترک ہیں، دونوں کو ہی الگ الگ جوڑا جائے تو دس ہی آتا ہے، اور وفات کے سنہ وفات ۱۹۷۳ کو الگ الگ ٹکڑوں میں جوڑا جائے تو دونوں ہی کا حاصل جمع دس ہے، پتہ نہیں کہ یہ محض اتفاق ہے یا دس ہندسوں کا کوئی معمہ۔

حیدرآباد جاتے ہوئے ٹرین میں مولانا نے فرمایا تھا "مجھے یقین (بقیہ ص ۸۲ پر)

ایک صالح مرد مجاہد

(از: عبدالسلام ممبر مجلس شوریٰ مفتاح العلوم مئو)

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی جیسے عظیم انسان کی وفات عالم اسلام اور عالم انسانی دونوں کے لئے ایک المناک سانحہ ہے، اس کٹھن دور میں مولانا مرحوم جیسا ہی صالح اور مرد مجاہد انسان چاہیے جو قوم کو صحیح راہ بتا سکے اور حالات زمانہ سے پنجہ آزمائی میں اسے ذرہ برابر تذبذب نہ ہو،

ان کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا بظاہر ناممکن ہے خصوصاً آج اس ذات گرامی کی کمی اہل مئو سیاسی اور سماجی دونوں میدانوں میں بُری طرح محسوس کرتے ہیں، یہ حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی پُراثر اور معنی خیز تقریریں اور حالات حاضرہ پر تبصرہ عوام اور سیاسی لوگوں کے لئے حتیٰ کہ عام عالمان دین کے لئے بھی مشعلِ راہ ہوا کرتا تھا۔

مولانا نعمانی خداداد صلاحیت رکھنے والے بے لوث اور حق گو انسان تھے، اور حق بات ہر جگہ اور ہر موقع پر بلا خوف وخطر کہتے تھے، ان کی پُراثر اور بارعب شخصیت کا یہ عالم تھا کہ جس مجلس میں پہنچ جاتے وہاں چاہے شہر کے بڑے لوگ ہوں یا حکومت کے بڑے عہدیداران، ان کی شخصیت سے ضرور مرعوب ہو جاتے۔ مثال کے طور پر ۲۹ مارچ ۶۹ء کو مئو کے تاریخی ہنگامہ کے سلسلے میں مئو پاور ہاؤس کے ڈاک بنگلے میں کلکٹر اور ایس، پی (اعظم گڈھ) نے مئو کے مخصوص لوگوں کی ایک امن کمیٹی بلائی تھی، اس کمیٹی میں شہر کی تقریباً سبھی معزز ہستیاں موجود تھیں، یہ ناچیز بھی اس کمیٹی میں موجود تھا، کچھ لوگوں کی رائے ہوئی کہ اب بات شروع ہونی چاہیے، مگر اب تک مولانا نعمانی نہیں پہنچ سکے تھے، لہٰذا کلکٹر نے یہ کہتے ہوئے

کمیٹی کی کارروائی شروع ہونے سے روک دی کہ مولانا نعمانی صاحب کے آنے کے بعد ہی کارروائی شروع کی جائے گی،

بہرحال کچھ ہی دیر بعد مولانا تشریف لے آئے، ان کے آنے سے قبل کمرے میں ایک دہشت زدہ ماحول تھا، لوگ سہمے اور گھبرائے ہوئے سے معلوم ہوتے تھے کیونکہ اس وقت پورے شہر میں کرفیو نافذ تھا، لوگ گھروں میں بند تھے اور پولیس آفت ڈھا رہی تھی۔

مولانا کمرے میں اپنے مخصوص لہجے اور جرأت مندانہ انداز میں یہ کہتے ہوئے داخل ہوئے کہ "کہو بھائیو کیا بات ہے"

آپ کے آتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ خوف و ہراس کا جو دبیز بادل چھایا ہوا تھا چھٹ گیا اور لوگوں میں بولنے کی طاقت آگئی اور ماحول کی ساری مایوسی یک لخت فنا ہوگئی، یہ خوبیٔ گفتگو اور شخصیت کا اثر تھا کہ کمیٹی بڑے اچھے ماحول میں ہوئی اور تمام باتوں کے طے پا جانے کے بعد بخوبی ختم ہوئی۔

آپ کی تمام تر زندگی اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے، لیکن مجھ میں اتنی کہاں قدرت کہ میں اس بلند شخصیت کو اپنے لفظوں میں بیان کر سکوں۔

روشن چراغ

(از:- مولانا رحمت اللہ دہلوی)

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ... مئو ناتھ بھنجن کے ایک روشن چراغ تھے، عجیب وغریب صلاحیتوں کے جامع تھے، مدرسہ مفتاح العلوم کے شیخ الحدیث اور مہتمم بھی تھے اور شہر کی میونسپلٹی کے چیرمین بھی۔

مدرسہ چھوٹا موٹا نہیں، ملک میں مظاہر العلوم سہارنپور کے بعد جس کو عظیم درسگاہ کہئے... میں نے ذاتی طور پر ان سے آخری عمر میں چند ملاقاتیں کیں، میں یہ تاثر لینے پر مجبور ہوا کہ اہل علم میں ایسے بیدار مغز، دیانتدار، منتظم، مربّی اور ہر دلعزیز کم ہوتے ہیں،...... اوقات کے نہایت پابند تھے، وعدہ میں بہت احتیاط فرماتے تھے، اگر وعدہ کر لیتے تو پھر تخلف نہیں ہو سکتا تھا۔

شہر کے مسلم غیر مسلم دونوں یکساں مطمئن تھے، غلط قدم نہ اٹھاتے اور نہ اٹھانے دیتے، کسی کو رشوت سے کام نکالنے کا (ان کے دور چیرمینی میں) خیال بھی نہیں آسکتا تھا اور نہ دھوکہ سے غلط کام لینا ممکن تھا۔ یہی طرز ہوشمندی اور بے لاگ خدمت مدرسہ کے معاملات میں بھی، اور یہی شہر کی میونسپلٹی کے کاموں میں بھی تھی، اگر ان کے علاوہ کوئی تیز چالاک، ہوشیار شخص ان خدمات پر مامور ہوتا تو بہت جلد بدنام ہو جاتا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس سے انھیں بالکل محفوظ فرمایا تھا، سختی کی اور رعایت نہ کرنے کی شکایت سو میں کوئی ایک کرتا ملا، اس کے علاوہ کوئی کچھ نہ کہہ سکا، اتنی بھاری ذمہ داریوں کے ہوتے ہوئے یہ شکایت ہے یا تعریف، ہر عقلمند فیصلہ کر سکتا ہے، مہمان نواز تھے مگر بے تکلفی کے ساتھ، رسمی اور دکھاوے والی کھینچ تان سے بری اور بالکل بری،..... اطمینان قلبی کا یہ عالم کہ چھوٹا معاملہ (بقیہ ص۸۶ پر)

یادِ نعمانی

از مولانا احمد اللہ صاحب، استاذ عربی مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن

سنہ ۱۹۴۸ء رہا ہوگا میں اپنے مادر علمی دارالعلوم مئو میں درس و تدریس کے کام پر مامور تھا ایک روز مدرسہ پہونچنے کے لیے لڑکوں سے یہ معلوم ہوا کہ کل جامع مسجد شاہی کٹرہ میں بعد نماز جمعہ مقامی جمعیۃ العلماء کا سالانہ انتخاب تھا جس میں حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی نے آپ کو نائب ناظم بنا دیا ہے اور مولانا موصوف کو لوگوں نے ناظم منتخب کیا ہے، اس واقعہ نے مجھ کو تشویش میں ڈال دیا۔ میں سوچنے لگا کہ مفتاح العلوم کے بزرگوں سے میرا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر یہ سب بات کیسے ہوئی۔ اسی درمیان دفتر سے چپراسی آگیا اور کہنے لگا کہ مہتمم صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ دفتر پہنچ کر مہتمم صاحب کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ فرمانے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ کل آپ کو جامع مسجد شاہی میں مقامی جمعیۃ العلماء کا نائب ناظم بنا دیا گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ ابھی ابھی مجھے بھی اس کا علم ہوا ہے۔ میں وہاں موجود بھی نہیں تھا مہتمم صاحب کا رنگ بدل گیا اور بے حد خفگی کے آثار نمایاں ہو گئے اور کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے ضرور مولوی عبداللطیف صاحب سے اس سلسلہ میں بات چیت ہوئی ہوگی میں نے کہا کہ ان سے میری کوئی بات نہیں ہوئی ہے، بلکہ کئی روز سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن مہتمم صاحب نہ مانے اور اپنی بات پر مصر رہے اور کہتے گئے کہ

دارالعلوم میں رہکر یہ ساز باز نہیں چلے گی۔ یہاں رہ کر آپ مفتاح العلوم والوں سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھ سکتے۔ میں کیا جواب دیتا، کہا کہ ٹھیک ہے اور وہیں سے اٹھ کر حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی مرحوم اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور دفتر میں ہونے والی تمام بات نقل کر دی۔ ان دونوں بزرگوں نے نہایت خندہ پیشانی سے شفقت آمیز الفاظ میں مشفقہ طور پر فرمایا کہ اب تم کیا چاہتے ہو، میں نے عرض کیا کہ اب میں دارالعلوم جانا پسند نہیں کرتا اور میری خواہش ہے کہ درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھوں۔ دونوں بزرگوں نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تم مفتاح العلوم میں پڑھاؤ، اور میں یہیں پڑھانے لگا۔

ابتدا میں تو مجھے دارالعلوم چھوڑنے کا کچھ دکھ ضرور رہا۔ مگر میں نے مفتاح العلوم کے بزرگوں کے قرب کو اپنی خوش قسمتی سمجھا۔ میں پہلے ہی سے جمعیۃ العلماء اور کانگریس کا ہمنوا تھا۔ اور علماء دیوبند سے غیر معمولی عقیدت رکھتا تھا اس لئے مولانا مرحوم سے پہلے ہی سے متاثر تھا۔ اور اب تو ان کی خدمت میں رہنے کا پورا پورا موقع ملا۔ مولانا کے تبحّر علمی اور سیاسی کارنامے، علمی مناظرے اور دیگر قومی وملی خدمات کا تذکرہ تو بہت سے مضامین میں آچکا ہے، اس لئے میں ان کے علاوہ چند خصوصیات ذکر کرتا ہوں جو مولانا کی زندگی کا آئینہ ہوگا۔

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ خاکسار مولانا کی خدمت میں کھانا کھاتے وقت بیٹھا ہوا تھا۔ آپ نے عام دستور کے خلاف بہت کم کھانا کھایا۔ میں نے پوچھا حضرت آپ نے بہت کم کھانا کھایا ہے۔ فرمایا "ہاں آجکل خوراک کم ہوگئی ہے" میں نے پوچھا آخر ایسا کیوں ہوا تو کہنے لگے "کچھ دنوں پہلے جو مئو میں گرانی اور بے روزگاری پھیل گئی تھی اور لوگوں کو سخت پریشانی لاحق تھی تو میں نے سوچا کہ وقت کا تقاضا ہے کہ میں کم کھاؤں اور میں اپنے کھانے میں کسی غریب لڑکے کو بھی شامل کروں اور میں نے گھر کہدیا کہ دو غریب لڑکوں کو دونوں وقت مستقل طور پر کھلاؤ۔ اس طرح کم کھانے کی عادت پڑ گئی

اور اب تک خوراک پوری نہیں ہوسکی، انشاءاللہ پوری ہوجائے گی"۔

مولانا نے کبھی کبھی اپنے ہمدردوں اور بہی خواہوں کی ایسی مجلس نہیں جمائی جہاں وہ رطب و یابس باتیں کہہ کر تسکین حاصل کرتے۔ مولانا اپنے سخت سے سخت مخالف کی بھی شکایت سننے کے عادی نہیں تھے اور اگر کوئی شکایت بیان کرتا تو کہتے کہ کیوں اپنی زبان خراب کر رہے ہو اور گناہ بھی کما رہے ہو۔ اور اپنے خلاف کسی آدمی کی شکایت اپنے آدمیوں سے سنتے تو فرماتے مجھے کہنا ہے کہنے دو (کچھ دینا ہی ہی لینا نہیں ہے)

مولانا نہ کسی کی شکایت کرتے اور نہ کسی کی شکایت سننا پسند کرتے۔ مولانا کی زندگی میں بہت سے سیاسی و مذہبی، گھریلو نہایت اہم صبر آزما موڑ آئے مگر انہوں نے ہمیشہ ہنسی خوشی سب کو گذار دیا اور کبھی کسی واقعہ سے متاثر نہیں ہوئے۔ پریشانی کے موقع پر صبر اور اطمینان آپکی خاص عادت تھی۔ مولانا مزاجاً بہت سادہ اور بے تکلف تھے۔ بہت سادہ کھاتے اور پہنتے تھے اور دوسروں سے کہتے سادگی اور بے تکلفی اختیار کرو اسی میں راحت ہے۔ مولانا اپنے ہر کام کو خود انجام دینے کے عادی تھے۔ بسا اوقات دوسروں کا بھی ہاتھ بٹایا کرتے۔ آپ ایک جید عالم دین تھے، مگر موجودہ دور کے علماء کی طرح غیر ضروری طور طریقہ چال ڈھال کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ آپ بے تکلف گفتگو فرمانے کے عادی تھے نہ خود رازدارانہ انداز میں گفتگو فرماتے اور نہ دوسروں کو کرنے کا موقع دیتے بلکہ ایسے موقع پر فرماتے کہ راز تو میاں بیوی کی باتوں میں ہوتا ہے لہٰذا جو کہنا ہے صاف صاف کہدو۔

آپ جہاں مذہبی پیشوا تھے وہیں سیاسی رہنما بھی۔ بلا تکلف اکثر جلسوں اور مجلسوں میں شرکت فرماتے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ خصوصیت کے ساتھ سیاست میں لوگوں کے حریف ہوا کرتے ہیں اور اکثر سیاسی میدان میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں جس کی بنا پر جھوٹ سچ، جائز ناجائز سب کرنا پڑتا ہے

مگر مولانا نے کبھی بھی اس قسم کی بات کو پسند نہیں فرمایا بلکہ ساتھیوں کو ہمیشہ یہی فرماتے کہ گھبراؤ نہیں سچائی سے کام لو، قدرت سچائی کا ساتھ دیتی ہے۔ اگر تمہاری باتیں ٹھیک ہوں گی تو جیت تمہاری ہوگی۔ نہ یہی میدانوں اور مجلسوں میں بھی مولانا کا یہی رنگ رہتا۔ کبھی کوئی مناسب یا غیر مناسب طے شدہ پروگرام کے تحت شرکت نہیں فرماتے بلکہ اپنے طور پر تشریف لیجاتے اور ہمدردوں، بہی خواہوں کا ایک سیلاب اُمڈ کر چلا آتا۔ مولانا قلت وکثرت کا خیال کئے بغیر گفتگو فرماتے اور اپنی بات لوگوں کے سامنے دلیل کے ساتھ رکھتے۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے وہ قوت گویائی اور سحر بیانی عطا فرمائی تھی کہ مخالف سے مخالف لوگ بھی مولانا کی گفتگو کو دلچسپی سے سنتے اور بالآخر مولانا مرحوم کی بات فیصلہ کن ثابت ہوتی جسے تمام لوگ متفقہ طور پر مان لیتے۔

انسان کی زندگی میں پیسہ کا مسئلہ نہایت اہم ہوتا ہے لیکن مولانا کا طریقہ اس معاملہ میں بھی بہت صاف رہتا تھا۔ سفر وحضر دونوں موقعوں پر جو پاس میں ہوتا اور خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی تو بلاتکلف خرچ کر دیتے۔ اور اخیر میں یہ ضرورت محسوس نہیں فرماتے کہ کہاں اور کس کے لئے خرچ کیا گیا ہے۔ اتنا لینا اور اتنا دینا ہے۔ بلکہ ساتھیوں کے تذکرے پر فرماتے کہ "چلو جی کیا ہوا اگر میں نے کچھ زیادہ ہی خرچ کر دیا" مولانا اپنی انجمن کے موقعہ پر بھی کسی غیر سے مدد لینا گوارا نہیں فرماتے تھے۔ البتہ دوسروں کی انجمن میں ان کی خاص طور سے امداد فرماتے۔

مولانا ہندو اور مسلمان ہر ایک کی خدمت کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انہوں نے کبھی بھی اپنے اور غیروں میں کوئی امتیاز نہیں برتا۔ بدترین دشمنوں کے بھی کام آتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی زندگی کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا احصار بہر حال مشکل اور الگ ایک کتاب کی شکل چاہتا ہے جس کا نہ موقع ہے اور نہ میرے بس کی بات۔ آپ کے سانحہ ارتحال نے ملکی اور مذہبی تمام انجمنوں کو

افسردہ بنا دیا ہے۔ ہماری نظریں انھیں ڈھونڈھتی ہیں مگر اُف رے محرومِ دیدار آنکھیں۔

آخری تمنا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پسماندگان کو مرحوم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ جیسے گوہر نایاب کی گمشدگی پر صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!!

(بقیہ از صـ۹۶)

بارالٰہا! تیرے دین متین کا خادم، تیرے پیغام کا مبلغ تیرے حضور حاضر ہے، تو اس کو دامن رحمت سے ڈھانک لے، اُس مرد مجاہد کو جس کی ساری زندگی مجاہدانہ گذری۔ شہداء و صدیقین کا درجہ عطا فرما اور اس کی تربت کو انوار رحمت سے معمور و منور فرما ــــ اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرما۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اے مردِ مجاہد الوداع ــــ!
اے استادِ شفیق الوداع ــــ!!

بیسویں صدی کی ایک نادرالوجود شخصیت

مولانا اقبال احمد الاعظمی، مدرس مدرسہ دارالعلوم مئو

۶ اور ۷ جنوری ۱۹۷۳ء کی درمیانی شب کو یہ جانکاہ خبر بجلی بن کر گری کہ استاذ الاساتذہ جناب حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی، شیخ الحدیث جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو وچیرمین مئو میونسپل بورڈ کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ خبر نہ صرف اہل مئو بلکہ تمام اہل علم اور باشندگان ہندوستان کے لئے ایسی ناگہانی اور ہوشربا تھی کہ کچھ دیر تک سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا ہو گیا مگر مشیت الٰہی پوری ہو کر رہی۔ اور بالآخر یہ یقین کرنا پڑا کہ اس عزم و استقلال جرأت و بے باکی کے پیکر شیر دل مجاہد نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کر دی جس نے اپنی ساری زندگی خدمت خلق اور درس و تدریس کے اہم فرائض انجام دینے میں گزار دی، وہ شمع خاموش ہو گئی جو نصف صدی سے زائد تک ہر علمی سیاسی مجلس میں ضیاء بار رہی۔

مولانا کی شخصیت بیسویں صدی کی بے مثال اور نادرالوجود شخصیتوں میں سے ایک تھی۔ آپ کو قدرت نے اعلیٰ دل و دماغ اور بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ آپ ایک جید عالم، ایک ماہر سیاستداں اور کامیاب مناظر تھے، آپ ان سب کے باوجود بھی انتہائی متواضع، متحمل مزاج اور بلند اخلاق تھے۔ آپ کی بلند اخلاقی، متحمل مزاجی، تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے بلند و بالا

منصب پر فائز ہونے کے باوجود بھی اپنے کسی ماتحت یا کسی شاگرد سے نہ سختی سے پیش آتے اور نہ ہی ان سے کسی قسم کی خدمت لینا گوارا کرتے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ کام خود اپنے ہاتھوں ہی سے انجام دیتے۔

چنانچہ راقم الحروف کو خود ایک مرتبہ مولانا کے دولت کدہ پر گنّوں کے موسم میں جانے کا اتفاق ہوا، تو ایسا ہوا کہ مولانا نے میری کافی خاطر مدارات کی اور جب واپس آنے لگا تو کھیت سے ایک شخص سے چند گنّے منگوائے اور انھیں خود ہی اپنے ہاتھوں کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیے اور میری سائیکل کے کیریر سے باندھ دیئے۔ میں ایک ادنیٰ شاگرد ہونے کی حیثیت سے بوجھ سا محسوس کرتا رہا اور اس بات پر مصر رہا کہ حضرت آپ کو کاٹنے اور ٹکڑے کرنے کی ضرورت نہیں آپ مجھے دیجئے میں خود ہی انھیں کاٹ کر باندھ لوں گا۔ مگر ایک نہ سنی۔ چونکہ میں نے مادر علمی جامعہ مفتاح العلوم کے اندر اپنی طالبعلمانہ زندگی کے سات سال گذارے ہیں اس لئے میں اس قسم کے واقعات اکثر دیکھتا رہا۔ اسی طرح آپ راست بازی اور صاف گوئی کے اندر اپنی مثال آپ تھے۔ خوشامد اور چاپلوسی سے آپ کو دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ چنانچہ جس بات کو آپ نے صحیح جانا اس کے کہنے میں کبھی تامل نہ کیا۔ جس بات پر دل سے یقین کر لیا اسی کے موافق کہا اور ویسا ہی کیا۔ جس بات میں ملک اور قوم کی بھلائی دیکھی اس کے کہنے اور کرنے میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کی۔ آپنے صرف اپنی راستبازی اور صاف گوئی کی بدولت کچھ لوگوں کو اپنا مخالف بنا لیا مگر ضمیر کے خلاف کوئی بھی کام کرنا گوارا نہ کیا۔

آپ نے اپنی اخیر زندگی کے تقریباً چالیس سال ایسی حالت میں گذارے کہ ایک مخصوص طبقہ آپ کی عیب جوئی کی گھات میں رہا اور دوست دشمن سب کو آپ کے ادنیٰ ادنیٰ کام دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں مخالفین اور آپ کے سیاسی حریفوں کو ہمیشہ یہ آرزو رہی کہ کوئی ایسی بات ہاتھ آجائے

جس سے آپ کا اعتبار دلوں سے جاتا رہے اور عوام آپ سے بدظن ہو جائیں مگر ان کوششوں کے باوجود کچھ ہاتھ نہیں آیا ورنہ ہر شخص پر یہ حقیقت واضح ہے کہ سیاست اور مناظرے کے دونوں میدان ایسے خطرناک ہیں کہ جہاں نہ صرف ہر ہر قدم پر گالیاں سننی پڑتی ہیں اور بلا وجہ کی دشمنی مول لینی پڑتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ہاتھا پائی اور توتو میں میں کی نوبت آجاتی ہے۔

آپ نے اپنی زندگی میں شیعہ سنی، مقلد، غیر مقلد، دیوبندی، بریلوی ہر طرح کے مناظرے کئے اور بفضلہ تعالیٰ آپ کو کہیں بھی ناکامی کا منھ دیکھنا نہیں پڑا، بلکہ آپ ہر میدان سے کامیاب و کامران لوٹے۔ اس کے باوجود بھی آپکی ہر دلعزیزی اور مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جب ۶ اور ۷ جنوری کی درمیانی شب میں ۱۱ بجے آپ کے انتقال کی خبر شہر میں پھیلی تو تمام شہر میں رنج و غم کی لہر دوڑ گئی اور ہر فرقہ اور ہر مسلک کے لوگ گریہ و زاری کرتے ہوئے نظر آئے اور سب کو آپکا دنیا سے اٹھ جانا ایسا ہی شاق گذرا جیسے کسی خاندان کے فرد کو اپنے کسی شفیق مربی اور سرپرست کے مرجانے سے گذرتا ہے۔ اس سے زیادہ آپکے حسن اخلاق اور مقبولیت کا ثبوت کیا ہو سکتا ہے؟۔ نیز اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آپ سے کچھ اختلاف تھا وہ محض سطحی اور ذاتی اغراض کی بنا پر تھا۔

طلبہ کی تعلیم و تربیت سے آپ کو ہمیشہ سے ہی بے انتہا دلچسپی رہی اور چند سالوں سے تو طلبہ کی نگرانی کی غرض سے آپکا مستقل قیام مادر علمی جامعہ مفتاح العلوم ہی میں رہتا۔ آج سے تقریباً بیس برس پہلے ۱۳۵۳ھ میں جبکہ ہم علم الصیغہ اور فصول اکبری پڑھتے تھے اور مذکورہ کتابوں میں کچھ کمزور نکلے تو آپ نے علم الصیغہ خود ہی پڑھانا شروع کر دیا۔ فراغت کے بعد بھی طلبہ کو ٹرینڈ کرنے کی غرض سے ان سے آپس میں مختلف موضوع پر مذاکرہ کراتے اور خود بھی شرکت فرماتے۔ سے

دعا یہ ہے کہ پلّہ نیکیوں کا اسکا بھاری ہو
دمِ حشر اس کے سر پر سایۂ افضالِ باری ہو

(بقیہ بر ص ۹۳)

مادرِ علمی مفتاح العلوم مئو اور حضرت الاستاذ مولانا نعمانیؒ

(از محمد ظفیر الدین مفتاحی مرتبِ فتاویٰ دار العلوم دیوبند)

مئو ضلع اعظم گڈھ ایک مشہور مردم خیز قصبہ ہے، بلکہ اب تو اچھا خاصا شہر ہے۔ یہاں ہر دور میں اربابِ فضل و کمال اور بڑے بڑے جیّد علماء پیدا ہوئے۔ مئو علم و فضل میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اگر اُسے علم و ادب کا گہوارہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا۔ یہاں چار بڑی دینی درسگاہیں ہیں جن میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہوتی ہے اور ہزاروں طلبۂ دین ان میں دن رات اکتسابِ علم میں مشغول رہتے ہیں۔ قدم قدم پر مسجدوں کے بلند مینار اسلامی عظمت کے گواہ ہیں، علماء، حفّاظ اور قاریوں کی جو تعداد تنہا مئو میں ہے، کسی پورے ضلع میں نہیں مل سکتی۔ ان دینی مدارس کے علاوہ علوم جدیدہ کی سرکاری تعلیم گاہیں بھی ہیں، اور یہ بھی آباد ہیں۔

مئو اور علماء اسلام اس گئے گذرے دور میں دو ممتاز علماء دین سے مئو کا نام روشن تھا۔ ایک خدا کو پیارے ہو گئے۔ دوسرے بحمد اللہ ہماری خوش قسمتی سے بقیدِ حیات ہیں، ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر صحت و سلامتی کے ساتھ دراز فرمائے۔ اور یہ ہیں ہند و پاک کے سب سے بڑے محدّث اور علمی دنیا میں فن اسماء الرجال کے سب سے بڑے محقق حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی شیخ الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو دامت برکاتہم۔ جن کی شخصیت ہزاروں علماء پر بھاری ہے، اور ہندوستان سے لیکر عرب دنیا تک جن کے علم و فضل کا سکہ رواں ہے۔

مولانا اعظمی مدظلہ اہلِ علم کی نظر میں مسند احمد کے مشہور شارح احمد محمد شاکر مصری ؒ نے مسند احمد کی پندرھویں جلد میں مولانا مدظلہ کے علم وفضل کا اعتراف ان جملوں میں کیا ہے۔

"اس کتاب کی تیسری جلد ص۳۶۵ میں درخواست کی گئی تھی کہ اہلِ علم مسند کی شرح اور تعلیق کے سلسلہ میں جو خامی رہ گئی ہے اس کی نشاندہی فرمائیں۔ مگر اس سلسلہ میں دس سال بعد سب سے پہلا "استدراک وتعقیب" ایک ہندوستانی عالم دین علامہ استاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی خادم الحدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڈھ کی طرف سے موصول ہوا ہے، جن سے میری کوئی جان پہچان نہیں، مگر ان کی اس تحریر سے ان کے عمیق علم وفضل، وسیع مطالعہ اور دقیق بحث وتحقیق کا اندازہ ہوا، چنانچہ میں اس تحریر کو یہاں اس اقرار کے ساتھ شائع کر رہا ہوں کہ جو گرفت کی گئی ہے وہ درست ہے اور یقیناً مولانا کا فضل وکمال مسلّم ہے۔"[۱]

مشہور مصنف عبد الفتاح غدہ (حلب) نے مولانا مدظلہ کا نام ان الفاظ میں لیا ہے، اور خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"العلامة المحدث البارع الفقیه الشیخ حبیب الرحمٰن الاعظمی صاحب التعلیقات البدیعه، والتحقیقات النادرة، العالم بالرجال والعلل، وتعلیقاته السنیه علی "سنن سعید بن منصور" "والزهد" لابن المبارك و"مسند الحمیدی" واستدراکاته علی الشیخ احمد شاکر فی تعلیقه علی "مسند احمد" ثم تعلیقاته الحافلة علی "مصنف عبد الرزاق" الذی یطبع الآن بعون الله کلها تنطق بسمو فضله وبسطة یدیه فی هذا العلم الشریف"[۲]

---

۱ مسند احمد مع شرح وتعلیق محمد احمد شاکر ص۲۵۱ ج۱۵ ۲ نفر اہل العراق وحدیثہم ص۲۰۔ ماحصل یہ ہے کہ مولانا اعظمی مدظلہ نے کتب احادیث کو گرانقدر تعلیق اور قیمتی ونادر تحقیق سے مالا مال فرمایا ہے اور آپ علم اسماء الرجال کے بہت بڑے عالم ہیں۔ "سنن سعید بن منصور" "کتاب الزہد والرقائق"، مسند حمیدی، مصنف عبد الرزاق آپ نے اپنے قیمتی تعلیق کے ساتھ شائع کرائی ہے اور مسند احمد پر استدراک تحریر فرمایا ہے۔

مفتاح العلوم کی نشأۃ ثانیہ حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے مبارک ہاتھوں ہی سے جامعہ مفتاح العلوم مئو کی نشأۃ ثانیہ ۱۳۴۷ھ میں جامع شاہی کٹرہ میں ہوئی تھی، اور خوش قسمتی دیکھئے کہ اس کی ابتدار دورۂ حدیث نبوی سے ہوئی تھی۔ اس دینی درسگاہ سے جو تعلیمی، دینی، علمی اور ملی وملکی خدمت انجام پائی ہے، اس کی تفصیل کے لئے ایک مستقل تصنیف چاہیے، اس دینی درسگاہ سے ابتک ہزاروں علمار، حفاظ اور قرار نکل چکے ہیں، اور انشار اللہ نکلتے ہی رہیں گے۔

سچ پوچھئے تو یہی مفتاح العلوم حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی و دینی شہرت اور ملی وملکی خدمت کا ذریعہ بنا اور یہیں سے مولانا موصوف نے وہ عظیم خدمات انجام دیں، جو مئو اور اہل مئو کے لئے باعثِ افتخار و ناز بنیں۔ اللہ تعالیٰ تا قیامت اس دینی ادارہ کو پھلتا پھولتا رکھے۔

مولانا اعظمی اور مولانا نعمانی رح کا ارتباط مئو کے دونوں ممتاز عالمانِ دین اسی مدرسے وابستہ تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ، اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ، ان دونوں بزرگوں نے جس اتحادِ عمل اور باہمی تعاون و اشتراک اور خدمتِ دین کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال شاذ و نادر ہے۔ چھیالیس سال باہمی خلوص و محبت سے پوری یکجہتی کے ساتھ علم و فن اور ملک وملت کی خدمت کوئی معمولی بات نہیں۔ دنیا بدل گئی، حکومت تبدیل ہوگئی اور نہ معلوم اس عرصے میں کتنے انقلابات آئے، مگر یہ دونوں بزرگ جہاں کھڑے تھے اور جو عہد و پیمان باندھا تھا اس پر جوں کے توں قائم رہے، ایک نے دوسرے کا دامن کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا، مولانا اعظمی مدظلہ بڑے تھے، مولانا نعمانی رح نے زندگی بھر ان کو بڑا ہی سمجھا اور مولانا اعظمی مدظلہ نے مولانا نعمانی رح کو ایک ساتھی اور دوست کی حیثیت دی تھی، ان کو زندگی بھر یہی حیثیت دیتے رہے کبھی اس سے صرفِ نظر نہیں فرمایا۔

ایک نے علم و فضل اور تصنیف و تالیف میں انہماک پیدا کیا اور علمی دنیا میں آفتاب و ماہتاب بنا، اور دوسرے کو علم و فضل کے ساتھ ملی وملکی خدمت سے شغف تھا، چنانچہ سیاسی دنیا کا نیّر تاباں

ہوا، مگر نہ یہ ملّی و ملکی خدمت سے بے نیاز ہوئے اور نہ وہ علم و فضل اور مطالعہ و کتب بینی سے علیحدہ۔ خاکسار کی معلومات کا جہاں تک تعلق ہے کوئی ایسا اہم ملّی و ملکی مسئلہ نہیں تھا جس میں حضرت مولانا نعمانی رح حضرت مولانا اعظمی مدظلہ، سے مشورہ نہ کرتے ہوں، اور کوئی علمی اور دینی خدمت ایسی نہیں ہے جس میں مولانا نعمانی رح کا حصہ نہ ہو۔

کوئی شبہ نہیں کہ ملّی و ملکی مسائل میں بظاہر مردِ میدان مولانا نعمانی رح ہی تھے، اور پبلک زندگی میں عوام سے رابطہ اُن کا ہی تھا، وہی چلتے پھرتے تھے، وہی تقریر کرتے تھے اور وہی نشانہ بھی بنتے تھے، علماءِ مئو کے لئے اُن کی ذات حصار کی سی تھی۔ ادھر دس پندرہ سال سے مولانا نعمانی رح مفتاح العلوم کے لئے وقف ہو گئے تھے اور اس کی ساری ذمہ داریاں انھیں کے سر آگئی تھیں، مگر با ایں ہمہ سرپرستی کا فریضہ مولانا اعظمی مدظلہ، ہی انجام دیتے تھے، اور جس کام سے آپ روک دیتے تھے مولانا نعمانی رح رک جاتے تھے[ل]۔

مولانا نعمانی رح کے اوصاف مولانا نعمانی رح میں بہت سارے ذاتی اوصاف تھے، جن سے وہ اجاگر ہوئے اور حسّی و معنوی ترقی کی، اور علم و فن کے ساتھ ساتھ ملک و ملّت کی بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ نے ذہانت و ذکاوت، جرأت و بیباکی، دور اندیشی و معاملہ فہمی اور علمی و فنی مہارت کی وافر دولت سے نوازا تھا۔ زبان شیریں و شگفتہ اور بیان مؤثر و واضح عطا فرمایا تھا، جو کہتے تھے وہی کرتے بھی تھے اور وہی کہتے تھے جو کرتے تھے، سراپا عمل تھے، ملّی و ملکی خدمت کا شغف کبھی علم و فن کی خدمت اور مطالعہ و کتب بینی کیلئے حارج نہیں ہوا، کام کے اوقات متعین تھے، مزاج میں اعتدال تھا اور طبیعت غلو سے پاک تھی۔ آپ محنتی، جفاکش اور نہ تھکنے والے انسان تھے، اور اپنے شاگردوں کو اسی کی نصیحت فرماتے تھے، دن رات کا اکثر حصہ کتاب و سنت کی تعلیم و ترویج اور مطالعہ میں صرف ہوتا تھا، حدیث و فقہ پر وسیع اور گہری نظر تھی اور معقولات میں آپ کی مہارت مسلّم اور بہت مشہور تھی۔

پہلی دیدار شوال ۱۳۵۹ھ میں ایک طالب علم کی حیثیت سے مدرسہ مفتاح العلوم مئو میں خاکسار نے داخلہ لیا اور یہیں سب سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا عبد اللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ل حضرت الاستاذ مولانا نعمانی رح اپنے ایک مکتوب گرامی میں یہی لکھتے ہیں۔

کو قریب سے دیکھا، باوقار شخصیت مگر سادہ اور بے تکلف، بارعب استاذ مگر ہنستا ہوا چہرہ، بال سفید مگر صحت بہتر، بہت جری وبیباک مگر بہت زیادہ شفیق اور محبت سے پیش آنے والے۔

مفتاح العلوم میں میری حاضری دو شخصیتوں کی علمی شہرت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ، اور حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ۔ میرا امتحان داخلہ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی مدظلہ، ناظم مدرسہ نے لیا تھا۔ مگر عجیب اتفاق، جن دو شخصیتوں کا نام سنکر مفتاح العلوم میں آیا تھا، اُن میں سے کسی کے پاس میرا کوئی سبق اس سال نہیں گیا۔ اس کا بے انتہا غم ہوا۔ اساتذہ میں ان دو کے بے پناہ اثرات تھے۔ مولانا اعظمی مدظلہ صدر المدرسین اور شیخ الحدیث تھے اور مولانا نعمانی رح نائب الصدر، دورہ کے اسباق میں بخاری وترمذی صدر المدرسین کے یہاں ہوتی تھی اور مسلم وابوداؤد نائب الصدر کے پاس، ان اسباق کے علاوہ بھی تین تین اسباق ان حضرات کے پاس مزید ہوتے تھے۔

ہم لوگوں کی ہدایہ اولین، نورالانوار اور مقامات استاذ محترم مولانا محمد یحییٰ صاحب مدظلہ کے پاس تھی اور قطبی مع میبذی اور ہدیہ سعیدیہ اور اس کے بعد میبذی استاذ مکرم مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس۔

اسباق میں طلبہ سے محنت دوسرے سال خوش قسمتی سے ہمارے اسباق ان دونوں بزرگوں کے پاس بھی گئے، جن کے نام نامی کی کشش ہمیں یہاں لائی تھی۔ مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے یہاں جلالین شریف اور حماسہ اور مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مختصر المعانی، ان اسباق کی برکت سے میں ان حضرات سے بہت قریب ہوگیا۔ روزانہ حاضری ہونے لگی، اور ربط بہت گہرا ہوگیا۔ پھر ۱۳۶۴ھ ۱۹۴۴ء میں دورۂ حدیث بھی ان ہی دونوں بزرگوں سے پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور ۱۳۶۵ھ ۱۹۴۵ء میں ان ہی اساتذہ کی توجہ سے تکمیل کا سال گذارا۔

مفتاح العلوم کا یہ دور کہنا چاہیئے تعلیمی شباب کا زمانہ تھا، ہر درجہ میں کافی طلبہ تھے، اور اساتذہ اسباق ومطالعہ کے باب میں بہت سخت۔ یوں سمجھئے کہ بدمحنت کی اسباق میں اچھی خاصی پٹائی بھی ہوتی تھی، حضرت مولانا اعظمی مدظلہ اور مولانا نعمانی رح دونوں عبارت خوانی میں

ایک زبر زیر کی غلطی برداشت نہیں کرتے تھے، ترجمہ میں مولانا نعمانی رح ایک حد تک نرم تھے، مگر حضرت مولانا اعظمی مدظلہ ترجمہ میں بھی اتنے ہی سخت تھے جس قدر عبارت کی صحت میں، کیا مجال کہ کوئی غلط ترجمہ کر کے نکل جائے۔ ہمارے بہت کم ساتھی تھے جنھوں نے عبارت خوانی یا ترجمہ میں مار نہ کھائی ہو۔ حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے یہاں پتلی چھڑی استعمال ہوا کرتی تھی اور مولانا نعمانی رح کو جب جلال آتا تو بس وہ اپنا بید اٹھا لیتے اور بہت اچھی پٹائی فرما دیتے، گو ایسا بہت کم ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ طلبہ کافی محنت کرتے اور مطالعہ کا برابر اہتمام رکھتے تھے۔ ان حضرات کے علم و فضل کے کیا کہنے، علم کے اتھاہ سمندر تھے۔ طلبہ کی وضع قطع اور لباس پر بھی کڑی نگاہ رہتی تھی۔

طلبہ میں اساتذہ کا احترام

ان ساری سختیوں کے باوجود ہم طلبہ کے دلوں میں ان دونوں بزرگوں کا جو احترام اور جیسی محبت تھی آج اس کا تصور بھی مدارس کے عام طلبہ نہیں کر سکتے، ہم طلبہ ان حضرات کے عاشق تھے، اور ان پر جان نچھاور کرتے تھے۔ مدرسہ مفتاح العلوم کی طرف سے آج جو راحت کے سامان فراہم ہیں، اُس زمانہ میں ان میں سے کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف چار کمرے پختہ تھے، جن پر سائبان نہیں تھا۔ بقیہ کمرے مٹی کے کھپریل تھے۔ کہاں کی بجلی، کہاں پانی کا نل اور کہاں کمروں میں موٹی موٹی دریاں اور بجلی کے قمقمے، خواب میں بھی کوئی یہ سوچ نہیں سکتا تھا۔

ان دونوں حضرات میں سے جوں ہی کوئی مدرسہ میں داخل ہوتا، طلبہ میں سے جو جہاں ہوتا، ہمہ تن کتاب پر جھک جاتا اور سنجیدہ ہو جاتا، مولانا اعظمی مدظلہ کا پہلا گھنٹہ تصنیف و تالیف کے لئے خالی رہتا، عموماً دوسرے گھنٹہ میں تشریف لاتے، پہلے آکر جامع شاہی کے صدر دروازے پر کھڑے ہوتے۔ آپ کے آتے ہی پورے مدرسہ میں اساتذہ سے لیکر طلبہ تک سب ہوشیار ہو جاتے، پھر مولانا مدظلہ اپنی درسگاہ دار الحدیث میں جو مسجد سے باہر کچے مکان میں تھی جا کر پڑھانے بیٹھ جاتے، اور جس درجہ کا سبق ہوتا اس کے طلبہ پہنچ جاتے، مولانا مدظلہ کے سوا سارے مدرسین کی درسگاہیں جامع شاہی میں تھیں۔ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی جامع شاہی کے فرش پر ہی بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے۔

مئو میں علمی جلسے

اُس زمانے میں مئو میں علمی اور دینی جلسے بکثرت ہوا کرتے تھے، اور جہاں

بھی جلسہ ہوتا حضرت مولانا اعظمی مدظلہ اور حضرت مولانا نعمانی رح ضرور تشریف لے جاتے اور اُن کے ساتھ عموماً ناظم مدرسہ حضرت مولانا ایوب صاحب مدظلہ بھی ہوتے تھے، اہلحدیث حضرات کے جواب میں بھی عموماً زوردار تقریریں ہوا کرتی تھیں، مئو کے مقامی طلبار کی تعداد اُس وقت مدارس میں بہت کافی ہوتی تھی۔ انگریزی تعلیم کا یہ چرچا اُس وقت نہیں تھا جو اس وقت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مئو کے گھر گھر میں ان دونوں بزرگوں کے تلانذہ موجود تھے، جو بحمد اللہ آج بھی پائے جاتے ہیں۔

مولانا اعظمی مولانا نعمانی کی نظر میں اطرافِ مئو میں جو بھی علمی، دینی یا ملّی و ملکی کام ہوتا تھا اُس میں ان بزرگوں کا حصہ ضرور ہوتا تھا۔ خود ان دونوں بزرگوں میں بڑا انس اور خلوص تھا، جو اخیر تک باقی رہا۔ جس جگہ جاتے ساتھ جاتے، جلسہ ہو یا دعوت۔ میری طالب العلمی کے اخیر سال میں حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ کو ارباب مدرسہ کی طرف سے کوئی تکلیف پہونچی۔ اس کے نتیجہ میں مولانا نے مدرسہ آنا بند کر دیا۔ میں بہت قریب سے جانتا ہوں کہ اس کا سب سے زیادہ غم مولانا نعمانی رح کو ہوا، حضرت مولانا مدظلہ کو لانے کی بہت ساری کوششیں ہوئیں۔ ایک دفعہ جامع شاہی میں مولانا نعمانی رح نے ایک جلسہ بلایا، جس میں مئو کے سربرآوردہ حضرات کو جمع کیا۔ اس میں مولانا نعمانی رح نے ایک مؤثر تقریر فرمائی اور حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کی اہمیت جتائی کہ اُن کے نہ آنے سے کیا نقصان ہے۔ اثنائے تقریر میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم طلبہ پر کنٹرول کرو، مگر حال یہ ہے کہ میرا لڑکا ظہیر کہتا ہے کہ اگر مولانا مدرسہ میں نہیں آئیں گے تو میں مفتاح العلوم میں نہیں پڑھونگا، سوچئے میں ان حالات میں کیا کر سکتا ہوں۔"

فتاویٰ کا کام اُس زمانہ میں حضرت مولانا اعظمی مدظلہ خود انجام دیا کرتے تھے۔ جب آپ کا مدرسہ آنا بند ہو گیا تو حضرت مولانا نعمانی مدظلہ نے یہ کام میرے سپرد کر دیا۔ میں اس سال حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کی طلب پر آیا تھا۔ آپ نے اس سال اپنے مدرسہ کے فارغ شدہ کو کارآمد بنانے کے لئے درجہ تکمیل کھولا تھا، مگر چونکہ اب یکسو ہو چکے تھے اسلئے مجھے مولانا نعمانی رح سے کہہ کر مدرسہ میں رکھوا دیا۔ مولانا نعمانی رح نے حضرت مولانا مدظلہ کا ایمار پاکر خوش آمدید کہا۔ یہ میرا تکمیل کا سال تھا، چند اسباق میرے سپرد کئے گئے اور اسی کے ساتھ فتویٰ نویسی۔ جب

کوئی استفتاء آتا، خاکسار اُس کا جواب لکھتا اور پھر اُسے مولانا نعمانی رحؒ کو دکھاتا۔ اُن کی اصلاح کے بعد اُسے لکھ کر مستفتی کو روانہ کرتا۔ اس دور میں مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا کی خدمت میں بھی جاکر جواب دکھالیا کرو، اور مشورہ کرنے کے بعد جواب لکھو، میں تو بہر حال مولانا کی خدمت میں پہونچتا ہی رہتا تھا، مگر مولانا نعمانی بھی برابر اس کی تاکید کیا کرتے تھے، اس زمانہ میں مجھے مولانا نعمانی رحؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ بڑے صاف دل، پاک باطن، شکوہ شکایت سے گریزاں، مدرسین اور طلبہ کے بہی خواہ، اور اُن کے ساتھ محبت وشفقت کا برتاؤ رکھنے والے۔

شفقت ومحبت ادھر جب مولانا نعمانی رحؒ کا قیام مستقل طور پر دن رات مفتاح العلوم میں رہنے لگا اور مفتاح العلوم کی صدارت ونظامت دونوں سپرد ہوگئیں تو اب مئو آتے جاتے میرا قیام مولانا نعمانی رحؒ کے پاس ہی رہتا۔ کھانا پینا اُن کے ہی ساتھ ہوتا، اور دن رات اُنکے ہی کمرہ میں رہنا سہنا۔ مولانا نعمانی رحؒ اپنے چھوٹوں کے ساتھ بڑی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے اور بہت زیادہ **حوصلہ** اور عزت افزائی فرماتے تھے، مولانا نعمانی رحؒ کے یہاں تکلف برائے نام بھی نہیں تھا، مگر باایں ہمہ اپنے چھوٹوں کے پہونچنے کے بعد اُن کے لئے کافی اہتمام کرتے تھے، میں ایک ایک ہفتہ مسلسل رہ جاتا تھا، مگر پھر بھی شاید وہ یہی چاہتے تھے کہ کچھ دن اور رہتا۔

شعبہ تالیف واشاعت ادھر کئی سال سے مولانا نعمانی رحؒ کو احساس تھا کہ وہ کافی سن رسیدہ ہوچکے ہیں، کچھ نوجوانوں کو آگے کرنا چاہئے، جو آئندہ کارآمد ثابت ہوں، مگر عملاً کر نہیں پاتے تھے۔ خاکسار سے بھی بارہا اس کا تذکرہ کیا۔ ایک دو دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اب تم کو مفتاح العلوم میں آجانا چاہئے۔ اس سلسلہ میں خصوصی توجہ حضرت مولانا الاستاذ حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم کی بھی تھی، ایک دفعہ مولانا اعظمی مدظلہ کے مشورے سے جنوری ۱۹۶۳ء میں طے پایا کہ مفتاح العلوم میں ایک شعبہ تصنیف وتالیف کا بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس موقع سے مولانا نعمانی نے لکھا۔

"مدرسہ میں شعبہ تالیف واشاعت کا افتتاح طے کرلیا گیا ہے، اس شعبہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کی زیر نگرانی ابتداءً دو آدمیوں کا تقرر ہوگا، بہت سے

ساتھیوں کی نگہ انتخاب آپ پر ہے، کیا آپ تشریف لا سکیں گے، مفتاح العلوم میں تنخواہوں کا معیار دارالعلوم دیوبند سے بہت کم ہے، تشریف آوری کی صورت میں کم سے کم کیا حق المحنت آپ کو ملنا چاہئے جس سے آپ کا کام چل جائے، اگر جواب میں تاخیر نہ ہو تو اچھا ہے۔"

مشاغل کی کثرت مگر یہ شعبہ کسی وقتی مجبوری کی وجہ سے قائم نہیں ہو سکا، اور اس کی بڑی وجہ غالباً مولانا نعمانی کے کثرت مشاغل تھے۔ مولانا مرحوم کا ایک ایک لمحہ کاموں سے گھرا ہوا تھا، میرے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں۔

"میرے مشاغل آپ سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ مدرسہ کے جملہ شعبوں کے ساتھ میونسپل بورڈ کا پورا بار میرے سر ہے۔ ہر کام میں دوسروں سے مدد ملنے کی بجائے بلاواسطہ بھی بالواسطہ مخالفت کا مقابلہ، مقابلہ کو تصادم تک پہونچنے سے بچانا، ایسا مسلسل کام ہے کہ فرصت اور سکون کا کوئی لمحہ نکالنا دشوار ہے۔ چاہتا میں بھی ہوں کہ کچھ لکھوں، لیکن چاہنا کیا کام دیتا ہے، صدق اللہ لیس بامانیکم الآیۃ یہ واقعہ عرض کیا گیا، دعا فرمائیے خدا کوئی صورت پیدا فرمادیں۔"

یہ گرامی نامہ ۱۹۶۵ء میں اُس وقت آیا تھا جب مدرسہ کے شعبۂ تصنیف و تالیف سے خاکسار کی کتاب "نظام امن" شائع ہو رہی تھی۔ چنانچہ اس پر تعارف مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہے، اور مقدمہ مولانا اعظمی مدظلہ کے قلم سے۔ اس سعادت پر جو مسرت ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔

علمی انحطاط کا احساس مولانا نعمانی رح کو موجودہ دور میں علمی انحطاط کا شدید احساس تھا اور وہ حتی الوسع مفتاح العلوم کا نظام تعلیم درست کرنا چاہتے تھے، اور کیا بھی، مگر پوری کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ چنانچہ ایک گرامی نامہ میں لکھتے ہیں۔

"مدرسین اور طلبہ دونوں طبقے کچھ کرنا نہیں چاہتے، پھر استعداد کیسے پیدا ہو، مفتاح العلوم کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ انتہائی محنت اور توجہ دلانے پر بھی طلبہ یا مدرسین درست راہ نہیں پکڑتے، آپ نے مفتاح العلوم میں کچھ دن گذارنے کا ارادہ ظاہر فرمایا ہے

بڑا اچھا ہے، ضرور تشریف لائیے۔"

مدارس کی فکر مولانا نعمانی کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ طلبہ پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میرے ہوتے ہوئے انشاء اللہ مفتاح العلوم میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوسکتا ہے۔ سنہ ۱۹۶۹ء میں ملک کی ایک مرکزی تعلیمگاہ میں طلبہ کا ایک زبردست ہنگامہ ہوا، اس کی خبر پر مولانا نعمانی رح بہت افسردہ اور رنجیدہ ہوئے۔ اس زمانہ میں میرے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس سلسلہ میں طلبہ نے اساتذہ، اہتمام اور نظام کی نہ صرف یہ کہ کوئی بات نہیں سنی، بلکہ سب کی بات ٹھکرادی اور مجلس شوریٰ بلوا کر اس کو بھی ذلیل کیا، میں نہیں سمجھ سکا کہ اتنی سی بات پر اتنا بڑا ہنگامہ کیسے ہوگیا اور طلبہ پر اساتذہ کا کیا اثر ہوا؟ ...... کے اساتذہ کی یہ بے اثری بڑی عبرتناک ہے اور عربی مدارس کا مستقبل بہت تاریک ہے۔ میں نے مہتمم صاحب کو اپنا تأثر لکھدیا ہے۔ .... اس واقعہ کے مضمرات پر اہتمام اور شوریٰ کو پوری طرح غور کرکے فساد کے جراثیم کو ختم کرنے کی سنجیدہ کوشش کرنا چاہئے۔ واللہ الموفق"

مولانا نعمانی رح کی سمجھ میں یہ بات بہت دنوں تک نہیں آئی کہ اساتذہ ایسے بے اثر کیسے ہوسکتے ہیں، یا طلبہ ایسے نافرمان کیونکر بن سکتے ہیں۔ اس مسئلہ پر بہت دنوں تک غور کرتے رہے۔

جذبۂ عمل مولانا مرحوم میں عمل کا جذبہ بے پناہ تھا، اسلئے جب وہ کسی کو عمل سے بیگانہ پاتے تھے یا مایوس تو انھیں سخت حیرت ہوتی تھی۔ ایک دفعہ علماء کے تذکرہ میں یہ بھی تحریر فرمایا تھا۔

"آج کل بعض اکابر ..... کی تقریروں اور تحریروں سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ شاید مدارسِ اسلامیہ کی افادیت کی طرف سے مایوس سے ہیں، یا بیجا تصنع یا تقدس کے قابوس میں مبتلا ہیں۔ یہ صورتِ حال دن بدن ناقابلِ برداشت ہوتی جارہی ہے، اللہ نے علم عطا فرمایا، وجاہت بخشی، اقتدار و اختیار سے نوازا، مگر یہ حضرات کچھ کرنے کی بجائے صرف کہنے میں مصروف ہیں۔"

مولانا مرحوم میں لاکھ روپے کی خوبی یہ تھی کہ وہ اپنی کوتاہی کو کبھی چھپاتے نہیں تھے، اگر ہوجاتی اعتراف فرماتے تھے۔ میری کتاب "نظامِ امن" جب تیار ہوئی تو اس کا مسودہ میں نے مفتاح العلوم بھیجدیا کہ اساتذہ کی نظر سے گذر جائے۔ حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی دامت برکاتہم کی

رائے ہوئی، یہ مفتاح العلوم سے شائع ہو، مولانا نعمانی رح نے یہ مسودہ مولانا اعظمی مدظلہ کے پاس بھیجدیا مگر مولانا نے یہ کہہ کر مسودہ مولانا نعمانی رح کو لوٹا دیا کہ پہلے آپ نظر ڈال لیں اور جہاں کھٹک ہو نشان بناکر میرے پاس بھیجدیں، اس سلسلہ میں جب میں نے یاد دہانی کا خط لکھا تو تحریر فرمایا۔

"مسودہ کا کچھ حصہ دیکھ چکا ہوں، ابھی پورا نہیں کرسکا، کچھ تو طبعی تقاضا اور کچھ مشاغل کی بہتات اس کام میں حارج رہی، طباعت انشاء اللہ ضرور ہوگی، تاخیر کی ذمہ داری تنہا مجھ پر ہے۔ دوسرا ملزم نہیں بنایا جاسکتا۔ مدرسہ کا کام روز بروز بڑھتا جاتا ہے، میں اتنی فرصت نہیں پاتا کہ کسی اور طرف توجہ کروں، مدرسین کی تعداد خاصی ہے مگر کوئی اس کام کے نہیں۔"

یہ کتاب مفتاح العلوم مئو کے شعبۂ تصنیف وتالیف سے شائع ہوئی اور اہلِ علم میں پسند کی گئی۔

شوال ۱۳۹۲ھ میں وفات سے دو ماہ پہلے حاضری ہوئی، تو کئی مجلسوں میں فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ مفتاح العلوم میں بیٹھ کر تصنیف وتالیف کی خدمت انجام دیں، جی چاہے تو ایک آدھ سبق پڑھادیں، نہ جی چاہے نہ پڑھائیں، مگر دو تین گھنٹے لکھنے پڑھنے کا کام گھر کے بجائے یہیں بیٹھ کر ضرور کیا کریں۔ میں خود ہی خدمت میں حاضر ہوکر کہوں گا، تم لوگ بھی عرض کرو، چنانچہ اس کا تذکرہ خاکسار نے مولانا مدظلہ سے ان ہی دنوں میں کیا تھا، حضرت اقدس مدظلہ نے امید افزا انداز میں فرمایا، سوچوں گا۔

کیا معلوم تھا کہ غیر شعوری طور پر مولانا نعمانی رح مفتاح العلوم کے مستقبل کے لئے فکرمند ہیں اور اس قدر جلد ہم سے جدا ہوجائیں گے۔ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد یہی ہوا کہ مفتاح العلوم کا سارا بوجھ آپ پر آگیا، اور یہی وجہ ہے کہ مجموعی طور پر وفات کا جو غم حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کو ہوا، شاید کسی کو نہیں ہوا ہوگا۔ جن لوگوں نے مولانا مدظلہ کی جامع شاہی کی وہ تقریر سنی ہے جو آپ نے مولانا نعمانی رح کی وفات کے بعد کی تھی، ان کو اندازہ ہوا ہوگا۔ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں جب مئو حاضری ہوئی تو ٹیپ ریکارڈ سے وہ تقریر خاکسار نے بھی سنی تھی۔

مختصر یہ کہ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رح ایک جلیل القدر اور جید الاستعداد عالم دین اور ایک مخلص اور جفاکش سیاسی مجاہد تھے۔ پوری عمر انہوں نے درس تدریس اور مسلمانوں کی دینی اور سیاسی خدمت میں گذاری۔ اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائے۔ بڑا اچھا ہوا کہ حضرت الاستاذ مولانا اعظمی مدظلہ کی خصوصی توجہ سے آپ کو مفتاح العلوم کے ایک گوشہ میں خانۂ خدا کے زیر سایہ سپرد خاک کیا گیا۔ جہاں آپ آسودۂ خواب ہیں۔ ہم تلامذہ کے لئے یہ ایک نعمت عظمیٰ سے کم نہیں، انشاء اللہ وفات کے بعد بھی ہم سب کی حاضری مزار پر ہوتی رہے گی۔

مولانا عبداللطیف نعمانیؒ

چند نقوش و تاثرات

(از مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

أعد ذکر نعمان لنا ان ذکرہ　　هو المسك ما کررته یتضوع

مجھے اپنی کم عمری کا بچپن یاد ہے، کوئی پانچ سال یا اس سے بھی کم عمر میں مجھے اپنے مدرسہ (جامعہ مفتاح العلوم) کی چہار دیواری میں داخل ہونا پڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں قاعدہ بغدادی تھا اور میں اپنے والد مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی (سابق ناظم و صدر المدرسین جامعہ مفتاح العلوم) کی نشستگاہ کے ایک کونہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بارعب اور باتمکنت شخص جو میرے والد صاحب سے بہت بے تکلف تھے آکر ان کے قریب بیٹھ گئے، اور انھوں نے تعجب سے مجھے دیکھتے ہوئے کچھ سوالات میرے ہی بارے میں والد صاحب سے کئے۔ کچھ دنوں بعد میں سمجھ سکا کہ وہ شخص مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی تھے۔

اس وقت میں اپنے مدرسہ کا سب سے کم عمر طالب العلم تھا۔ والد صاحب نے مجھے مدرسہ کے ایک فاضل استاذ قاری عبدالمنان صاحب کے پاس بٹھا دیا۔ قاری صاحب نے مجھے شفقت و حکمت کے ساتھ تھوڑا تھوڑا پڑھانا شروع کیا، اور جلد ہی میں نے قاعدہ بغدادی ختم کر لیا۔ قاری صاحب کے پاس میں حسب معمول پڑھتا رہا۔ ایک دن ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے میرے ننھے سے دل میں رعب و خوف کا ایک طوفان برپا کر دیا۔ قاری صاحب کی زبان سے اچانک نکلا "بڑے مولانا" اور دیکھا تو ایک وجیہہ اور بہت رعب دار و پُر وقار بزرگ جامع مسجد کے مشرقی دروازہ پر بے تکلف دیوار کا سہارا لئے ہوئے کھڑے ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ بڑے مولانا ہیں جو مدرسہ کے سب سے بڑے عالم اور سب کے بزرگ ہیں۔ اُس دن سے میں نے بڑے مولانا کی عزت و عظمت

کو جو لوگوں کے دلوں میں پنہاں بھی سمجھا۔ یہ اپنی کم عمری میں عظمت و رعب کا سب سے پہلا نقش تھا جو میرے دل پر مرتسم ہوا اور آج تک وہ نقش قائم ہے۔

مدرسہ کے جملہ اساتذہ و طلبہ "بڑے مولانا" بول کر حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن صاحب الاعظمی دامت برکاتہم کو مراد لیا کرتے تھے، اور یہ جملہ گویا ایک رمز تھا کہ لوگ جب بھی حضرت مولانا کا نام لینا چاہتے تھے بڑے مولانا کہہ کر کام نکال لیتے۔

میں ابتدائی تعلیم میں وقت زیادہ نہیں لگا سکا۔ مجھے قرآن مجید اور کچھ اردو وغیرہ پڑھا کر فارسی کی تعلیم میں لگا دیا گیا میں درجات فارسی میں داخل ہوا تو مجھے یہ سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں ہوئی کہ ہمارے مدرسہ کی سب سے بڑی شخصیت حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمن الاعظمی کی ہے، اور دوسری شخصیت جو علم و فضل میں مشہور ہونے کے ساتھ ساتھ معاملاتی امور میں بھی لوگوں کی مرکزِ توجہ تھی اور جس کی شہرت مدرسہ کی حدود سے نکل کر سیاسی حلقوں تک پہنچ چکی تھی "انقلاب زندہ باد" کے نعروں میں جو اس وقت یہاں بھی ہندوستان کی آزادی کے لئے لگائے جا رہے تھے، جس کا بڑا ہاتھ تھا اور جو مئو کے مسلمانوں کی سیاسی قیادت کی ہر طرح سے اہل اور ان میں سیاسی شعور بیدار کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی، وہ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رح کی شخصیت تھی۔

حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی اہل مئو کے سیاسی لیڈر تھے لیکن اُن کی علمی اور دینی لیڈر شپ (LEADER-SHIP) زیادہ طاقتور اور مؤثر تھی وہ ایک کامیاب استاذِ فن اور مذہبی عالم کی حیثیت سے زیادہ محبوب و مشہور تھے۔ اُن کی دوررس نظر، اور نکتہ آفریں ذہن، علمی نوادر و نکات کو ظاہر کرنے اور اُن کی گہرائیوں تک پہنچنے میں جہاں اکثر اہلِ علم کی رسائی با آسانی نہیں ہو سکتی تھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ وہ کسی بھی مشکل ترمسئلہ سے نہ تو مرعوب ہوتے تھے اور نہ یہ سوچتے کہ اس کے سمجھنے میں ان کو عام علمی مسائل سے زیادہ دقّت پیش آسکتی ہے۔ اسی لئے کبھی انھوں نے پیچیدہ علمی مباحث کے سلسلہ میں کوئی اہتمام نہیں کیا اور نہ ان کو بہت زیادہ اہم بنا کر پیش کیا۔

میری خوش قسمتی تھی کہ ابتدا ہی سے مجھے مولانا سے باقاعدہ پڑھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ جب ہدایۃ النحو پڑھنے کا وقت آیا تو یہ گھنٹہ مولانا نے اپنے ذمہ لے لیا، اور ہم لوگ ہدایۃ النحو جیسی کتاب جو اس وقت ابتدائی درجہ کے کوئی استاد پڑھایا کرتے تھے مولانا کے پاس مقرر ہونے سے

بے انتہا خوش تھے۔ فخر و مسرت کے امتزاج کے ساتھ ہم نے یہ کتاب مولانا سے سبقاً سبقاً پڑھنا شروع کردی اور تھوڑی مدت میں وہ ختم بھی ہو گئی۔ ششماہی امتحان کا اعلان ہوا تو کتاب کا مذاکرہ شروع ہوا بعض ساتھیوں نے پوری کتاب زبانی یاد کرلی تھی۔ لیکن حقیقت ہے کہ مجھے یہ کتاب بہت مشکل معلوم ہوئی، مولانا نے میرا امتحان لیا تو خوف اس قدر غالب تھا کہ میں کسی سوال کا جواب ہی نہ دے سکا۔

ایک دفعہ اوپر کے درجات کے بعض بڑی عمر کے طلبہ کسی جرم میں ماخوذ ہوئے۔ مدرسہ کی عدالت نے اُن کے لئے زبانی ملامت کے ساتھ سخت تنبیہ تجویز کی۔ میں نے دیکھا کہ مولانا کو سزا کی تنفیذ کے لئے مقرر کیا گیا، اور انھوں نے ان تمام طالب علموں کو سخت سزا دی، اس کے بعد سے مولانا کا رعب اور زیادہ دل میں بیٹھ گیا اور ان کو دیکھتے ہی سنجیدگی کا مظاہرہ از خود ہونے لگتا۔ اس واقعہ کا اثر پورے مدرسہ پر پڑا اور طلبہ کی جماعت پر مولانا کا خوف پوری طرح چھا گیا۔

مولانا نعمانی طلبہ سے اپنا ذاتی کام لینے میں انشراح نہیں محسوس کرتے تھے جب وہ مدرسہ ہی کے اندر قیام فرمایا کرتے تھے اور بہت سی ضروریات میں ان کو طلبہ کی مدد کی ضرورت پیش آتی، جب بھی وہ اس سے احتراز کرتے اور عموماً اپنا کام اپنے ہاتھ ہی سے کرتے بعض دفعہ کھانا پکانے اور بازار سے سودا لانے کی ضرورت پیش آتی، طلبہ اپنی خدمات پیش کرتے، لیکن مولانا ان سے معذرت کر دیتے اور اپنا کام اپنے ہاتھ سے انجام دینے میں وہ بڑی راحت محسوس کرتے ــــ وہ (SELF SERVICE) کے اصول پر آخیر تک کاربند رہے۔

مدرسہ میں جب بھی کوئی بڑی انتظامی ضرورت درپیش ہوتی تو مولانا اپنے حسن انتظام اور تدبر سے اسے انجام دیتے۔ جب مدرسہ کا پہلا جلسۂ دستار بندی ہوا تو جلسہ کے تمام انتظامی امور مولانا ہی کے ذمہ تھے اور مولانا نے ان تمام ذمہ داریوں کو بکمال خوبی انجام دیا۔ دستار بندی کے دوسرے جلسہ میں بھی مولانا کے انتظامات کا بڑا حصہ تھا، اور انھیں کی مساعی سے ہر طرح کی سہولتیں حاصل تھیں۔ وہ اجتماعی معاملات کی انجام دہی میں بڑا ملکہ رکھتے تھے، اور اُن کی کوششوں سے بہت سے مشکل مسائل دیکھتے دیکھتے حل ہو جاتے تھے، اُنھوں نے مدرسہ کی انتظامی ذمہ داریاں بھی کئی بار

سنبھالیں اور ہمیشہ کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔

مولانا کا تعلق جب عام اجتماعی اور سیاسی معاملات سے بہت بڑھ گیا اور مدرسہ کی ذمہ داریوں میں جب وہ بعض اوقات حائل ہونے لگا تو کچھ طالب علموں نے ناظم صاحب کے نام یہ درخواست دی کہ ہمارے اسباق کا نقصان بہت ہونے لگا ہے۔ اگر مولانا عبد اللطیف صاحب کی عدم موجودگی میں ہمارے اسباق کا کوئی اور نظم ہو جائے تو ہمارے لئے زیادہ مفید ہوگا" مولانا کو یہ بات معلوم ہوئی اور انھوں نے ان طالبعلموں سے کہا کہ بھائی اگر تمہارا یہ احساس تھا تو پہلے تم مجھ سے مشورہ کر لیتے میں خود کوئی حل نکالتا۔ مولانا نے جس شفقت و محبت سے یہ بات فرمائی تھی اُس کا اثر سب کے دل پر ہونا لازمی تھا چنانچہ سب نے بیک زبان اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اپنا معاملہ انھوں نے مولانا کے اوپر چھوڑ دیا کہ وہ جیسا مناسب سمجھیں کریں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسباق کا نقصان کم سے کم ہو گیا۔[ا]

جب ہمارے مشکوٰۃ جلالین کا سال آیا تو مولانا ہی کی تجویز ہوئی کہ اس سال اوپر کے پورے ایک ایک درجے کو ایک ایک استاذ کے ذمہ کر دیا جائے۔ وہی ان تمام اسباق کا ذمہ دار ہوگا" مولانا کی یہ تجویز منظور ہو گئی اور ہمارا درجہ مولانا کے پاس پڑا، اس سال ہم لوگوں نے اپنی تمام کتابیں مولانا ہی سے پڑھیں، اور اندازہ ہوا کہ مولانا کی نظر کتنی وسیع ہے۔ وہ کبھی کبھی اتنی اونچی باتیں بیان کرنے لگتے کہ کم استعداد طلبہ کی سمجھ میں آنا مشکل ہوتا۔ (اس درجہ کے ساتھ مولانا نعمانی رح سابق بدستور دورۂ حدیث کے اسباق بھی پڑھاتے رہے۔ مرتب)

اس سال ہم نے مولانا کو قریب سے دیکھنے اور اُن کی باتیں قریب سے سننے کی کوشش کی۔ مولانا نے جس شان سے پڑھایا وہ ہمیں یاد ہے۔ وہ دوران سبق میں کبھی کوئی غیر متعلق بات نہیں کرتے، وہ طلبہ سے بے تکلف بھی نہیں ہوتے تھے، اور نہ کبھی دوران سبق میں تکان دور کرنے یا ذہن کو نشیط کرنے کے لئے کوئی واقعہ یا علمی نکتہ بیان کرتے تھے۔ یہ مولانا کا اپنا خاص طرز تھا جو عام اساتذہ کے طرز سے جداگانہ تھا۔ اس کے باوجود طلبہ اُن کے درس میں اخیر تک ہمہ تن گوش رہا کرتے تھے، اور اُن کے افادات سے مستفید ہونے کی کوشش کرتے تھے۔

[ا] حضرت مولانا نعمانی رح کے متعلق یہ واقعہ غالباً پہلا ہوگا اور یہ بھی عجیب و غریب ہے کیونکہ مولانا مرحوم کو کبھی نہیں دیکھا گیا کہ مئو میں رہتے ہوئے انہوں نے سبق ناغہ کیا ہو۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ جب وہ ایم۔ ایل۔ اے ہوئے تو درس و تدریس سے دستکش ہو گئے اور نظامت قبول کر لی اور پھر جب آئے تو جم کر پڑھایا۔ (مرتب)

آزادی ہند کے بعد سے برابر مولانا کی قومی اور اجتماعی مصروفیات میں اضافہ ہوتا گیا وہ عوام کی خدمت اور وطن کی راہ میں قربانی کے جذبہ سے ہمیشہ سرشار رہے۔ ملکی حالات اور مسلم عوام کے مصالح کے پیش نظر ان پر سیاسی رنگ غالب[لے] تھا۔ آزادی کا ثمرہ جب مسلمانوں کو فسادات اور اقتصادی بدحالی کی شکل میں ملنا شروع ہوا تو مولانا کا اس سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ انھوں نے اسی تاثر کی بنا پر ۱۹۵۷ء میں یوپی اسمبلی کے الیکشن میں امیدوار کی حیثیت سے حصّہ لیا اور اپنے حلقہ سے وہ ممبر اسمبلی منتخب ہو گئے۔ اس دوران ان کو اکثر لکھنؤ میں قیام کرنا پڑتا، اور مدرسہ کی خدمت کا موقع نہیں مل پاتا تھا۔ بالآخر انھوں نے اس صورت حال کو محسوس کیا اور مدرسہ کی خدمات سے معذرت کر دی۔ یہ ایک بہت نازک موڑ تھا۔ جہاں مدرسہ کو نقصان پہونچنے کا بھی اندیشہ کیا جانے لگا تھا۔ مگر اہل مدرسہ اور ذمہ داران کو اللہ تعالیٰ نے اس نازک مرحلہ سے بھی گذار دیا۔ مدرسہ حسبِ معمول اپنی خدمت میں مصروف رہا۔ مولانا جب لکھنؤ سے آتے تو سب سے پہلے مدرسہ تشریف لاکر وہاں کے حالات معلوم کرتے اور حسب گنجایش اپنا تمام تر وقت وہ مدرسہ کی خیر خواہی میں گذارتے۔

مولانا نعمانی ایک بڑے عالم دین، ایک جرأت مند مناظر، ایک زندہ و متحرک مسلمان کی شان، ایک مجاہد و جفاکش انسان اور ایک بہترین سیاست دان تھے، وہ علم و عمل کے امتزاج کا بہترین نمونہ تھے۔ وہ دین و دنیا کی تقسیم کے قائل نہیں، بلکہ دونوں کو بیک وقت ساتھ لیکر چلنے کے زبردست داعی تھے۔ انھوں نے سنگ و حریر کو جمع کرنے کا فن سکھایا، انھوں نے میدان سیاست میں کبھی اپنے علمی و دینی خصائص و صفات کے لباس کو تھوڑی دیر کے لئے بھی اتارنا گوارا نہیں کیا، وہ اسمبلی کے ایوان میں ہوں یا جامع مسجد کے سائبان میں، ہر جگہ انھوں نے اپنی مجاہدانہ اور عالمانہ شان کو برقرار رکھا، اور اہل دنیا پر یہ ثابت کر دکھایا کہ ایک عالم دین ہی دراصل ریاست و سیاست کا اہل اور صحیح حقدار ہے اور وہی اس کے مفہوم سے آشنا ہے۔

مولانا کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ بڑے قوی الاعصاب تھے، کتنا ہی بڑا حادثہ یا مشکل ہو وہ اس کا سامنا نہایت ٹھنڈے دل و دماغ سے کرتے، اور اپنا ذہنی توازن بہر حال قائم رکھتے تھے، ان کی زندگی کی ڈکشنری میں یاس و ناامیدی نام کا کوئی لفظ نہیں تھا۔ وہ ہر حال میں حوصلہ مند

لے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ درس و تدریس سے کبھی برائے نام بھی دلچسپی اور شغف میں کمی آئی ہو، مولانا نعمانی رحمہ نے ہر دور میں اوّلی درجہ مفتاح العلوم کو دیا۔ (مرتب)

نظر آتے تھے۔ وہ بڑے ہوشمند اور حاضر دماغ تھے۔ بہت سے حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات سے وہ دوچار ہوئے۔ مگر صبر و حوصلہ کے دامن کو انھوں نے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ وہ انگریزوں کے دور میں قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیل چکے تھے۔

چند ماہ قبل مجھے اپنی موجودہ مادر علمی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مولانا عبدالستار اعظمی[۱] (موجودہ شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء) نے یہ خبر دی کہ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کے انتقال کا تار آیا ہے، عجیب سی خبر تھی، کسی طرح اس پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہا، مگر خبر صحیح تھی میں نے مولانا کے بڑے صاحبزادے برادر محترم مولوی حبیب الرحمٰن صاحب نعمانی ایم۔ ایل۔ اے کے پاس تعزیت کا خط لکھا، چند دن کے بعد تفصیلی حالات کا علم ہوا، اور مرگ ناگہانی کا حال معلوم کر کے زندگی کی بے ثباتی اور دنیائے فانی کی بے حقیقتی کا احساس اور بڑھ گیا۔

مولانا سے میری آخری ملاقات انتقال سے ڈھائی ماہ قبل رمضان میں انھیں کے محلہ امام گنج میں ہوئی تھی۔ وہاں ہم محلہ کے ایک بزرگ اور مولانا کے قریبی عزیز حاجی عبدالصمد مرحوم کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے، اس دفعہ خلاف معمول مولانا بہت توجہ سے ملے تھے، اور کچھ باتیں بھی کی تھیں، دیر تک ہم لوگ اُن کے ساتھ بیٹھے۔ مولانا نہایت منشرح اور تندرست نظر آرہے تھے۔ اس وقت بے اختیار جی چاہا کہ مولانا سے ہمیشہ ایسی ہی ملاقاتیں ہوا کریں جن میں ان کی شفقت و توجہ ظاہر ہو جایا کرے۔ مگر کون جانتا تھا کہ یہ آخری ملاقات تھی، اور اس کے بعد پھر ان سے کبھی اس دنیا میں ملنا مقدر نہ تھا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا اس دنیا سے چلے گئے، لیکن اُن کی ناقابل فراموش خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی اور ان کی قابلِ تقلید زندگی مشعلِ راہ بنتی رہے گی۔

---

[۱] مقالہ نگار مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کی تعلیم و تربیت از اول تا آخر مفتاح العلوم میں ہوئی۔ اسی مدرسہ میں انھوں نے دورۂ حدیث بھی پڑھا، اس کے بعد درجۂ تخصص میں ندوۃ العلماء لکھنؤ جاکر داخلہ لیا اور پھر وہیں ایک استاد کی حیثیت سے رکھ لئے گئے۔ آپ اس وقت ندوہ کے درجۂ علیا کے استاد ہیں۔ (مرتب)

ایک وسیع القلب

اور

بے تکلف عالمِ دین

از مولانا صفات اللہ قاسمی اعظمی مئو

حیف صد حیف ہمارا یہ قصبہ مئو ۶ جنوری ۱۹۷۳ء مطابق ۳۰ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ یوم شنبہ بعد العشاء ۱۰ ۱/۲ بجے شب میں ایک عظیم ترین شخصیت و بے ارمغز مخلص رہنما سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔ بلا شبہ اس ذات گرامی کا ظلِ گرانمایہ پورے قصبہ کے لئے خیر و فلاح کا ایک بہترین سایہ تھا جو اٹھ گیا، ان کا وجود پورے قصبہ کے حفظ و امان کے لئے ایک مستقل حصار تھا جو اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ ان کی ہستی ایک فردوس عافیت تھی جو ختم ہوگئی۔ اس طرح سے ہمارا قصبہ ایک بہت ہی سنگین حادثہ کا شکار ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!!

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رح جنھیں لطیف ذوالکرم نے علم و بصیرت، فہم و فراست، حکمت و دانش، تدبر و تفکر، حلم و تقویٰ، عمل و کردار اور فضل و کمال جیسی بیش بہا خوبیوں سے نوازا تھا جو ہمارے اس قصبہ کے لئے ایک قیمتی نعمت کبریٰ امانت تھی ہم سے چھن گئی۔ ممدوح کی ہستی نادر روزگار ہستی تھی جو غم و اندوہ میں تڑپتا چھوڑ کر اپنے مقام لطیف میں جا داخل ہوئی۔ دیکھنے والی آنکھیں

اگر ہوں دیکھ سکتی ہیں کہ کائنات کے ہر ذرے کی پیشانی پر کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کا نوشتۂ اجل موجود ہے جو کبھی مٹا ہے اور نہ مٹے گا۔

مولانا نعمانی مرحوم جن کی زبان پہ نعرۂ حق، لب پہ پیغام امن وسکون، دل میں ہمہ دم انسانیت کے فوز وفلاح کا جذبہ موجزن تھا، اگر ایک جانب دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کشتی کے کھیون ہار تھے تو دوسری جانب دور حاضر کی فرقہ واریت کے مقابلہ میں پہاڑ بنکر قومی یکجہتی، اتفاق واتحاد کے علمبردار، اہم سے اہم پُرپیچ مسائل کو بروقت حل فرماتے اور ساتھ ہی حق گوئی و خود شناسی کی تعلیم بھی دیتے۔ مرحوم مدت العمر جامعہ مفتاح العلوم سے متعلق رہے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان آزاد ہوا تو معًا پورے ملک میں فرقہ واریت کا زہر، قتل وغارت گری کی ایسی خطرناک اور انسانیت سوز لہریں اٹھیں کہ درندے بھی کانپ اٹھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض ناعاقبت اندیشوں نے قصبہ کے امن وسکون کو بھی چیلنج کیا، مگر اس مرد مومن نے اپنے حسن تدبیر اور خداداد ذہانت سے تادم حیات ہر خطرہ سے بچایا جس کی شہادت چھبیس ۲۶ سالہ دور کی ہولناکیاں اور اسی کے ساتھ قصبہ مئو کی باہمی ملی جلی زندگی اور عروج وترقی بزبان خود گواہی دے رہی ہے۔ مولانا نعمانی مرحوم میں تین خصوصی جوہر تھے۔

(۱) **حسن تدبر:-** نزاکت وقت کی بروقت پہچان اور اس کی تہ کو پالینا اور دفع مضرت کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا۔

(۲) **جرأت وبیباکی:-** بلا خوف وخطر پوری قوت وہمت کے ساتھ بروقت عملی اقدام۔

(۳) **خطابت:-** اپنے خیالات اور اپنے منصوبے کو استدلال کی پوری قوت اور خود اعتمادی کے ساتھ اس طرح پیش کرنا کہ مخاطب لامحالہ متأثر ہو جائے، ورنہ کم از کم جواب دہی کی طاقت سے مفلوج ہو کر مرعوب ہو جائے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

الغرض علمی وتدریسی ذوق وخدمت کے ساتھ سیاسی بیدارمغزی بھی ایسی تھی کہ بڑے سے بڑے اہم اور پُرپیچ مراحل پر اپنے فکر رسا، معاملہ فہمی، وقت شناسی واستقلال وثبات قدمی کا لوہا منوا لیا تھا جس کے نتیجہ میں ہر نازک دور میں موافق ہوں یا مخالف سبھی آپکی طرف رجوع پر مجبور تھے اور یقیناً آپ کو پورے قصبہ کی سربراہی کا شرف حاصل تھا. اب ہم میں مولانا مرحوم موجود نہیں مگر الحمدللہ کہ وہ اپنی یاد ہمارے دلوں میں چھوڑ گئے جو مشعل راہ ہے.

خود اس ناچیز نے ایک مجلس میں یہ سوال کیا کہ جب ہر شئی کا تعلق قضا وقدر سے ہے اور ضلالت وہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور پھر اسے ہر چیز کا علم بھی بخوبی ہے تو پھر اتمام حجت کے لئے اس دنیا کو دارالمحن کیوں بنایا جب کہ اس کا علم تمام معلومات کے لئے خود حجت ہے. بے ساختہ بحالت تبسم فرمایا کہ اللہ رب العزت نے اس عالم کو اپنی دلچسپی کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور یہ حدیث پڑھی کنت کنزا مخفیا فأجبت أن اعرف فخلقت الخلق اوکما قال۔

مولانا مرحوم کی آخری ملاقات:- مولانا رحمت اللہ صاحب آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند ۵ر جنوری ۷۳ء کو مئو تشریف لائے. جمعہ کی نماز جامع مسجد شاہی کٹرہ میں حضرت مولانا نعمانی مرحوم کی معیت میں ادا کی گئی. بعد نماز جمعہ جامع مسجد شاہی میں مولانا موصوف آرگنائزر جمعیۃ علماء ہند نے جمعیۃ کی طرف سے عوام کو خطاب فرمایا اور رات میں ہونے والے اجلاس کے لئے دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ مانع تھا. بدرجۂ مجبوری بعد نماز مغرب جمعیۃ کا ہونے والا جلسہ مدرسہ دارالعلوم مئو کی جامع مسجد میں منعقد ہوا. یہ ناچیز مولانا نعمانی مرحوم کو لینے کے لئے روضہ ملک طاہر کی مسجد پر حاضر ہوا، مولانا مرحوم کے ساتھ ہی مغرب کی نماز ادا کی، فراغت کے بعد حضرت مولانا نعمانیؒ نے ایک دوکان کا افتتاح فرمایا اور اس تقریب میں

مٹھائی بھی آئی جس پر مولانا مرحوم نے یہ ہدایت فرمائی کہ جو روپے اس طرح کی تقریبات میں مٹھائی وغیرہ پر خرچ کئے جاتے ہیں وہ کسی کار خیر میں خرچ کئے جائیں تو دین و دنیا دونوں حیثیت سے فلاح و بہبودی کی توقع ہے۔

وہاں سے چل کر جمعیۃ کے اجلاس میں دارالعلوم مئو آئے۔ آتے ہی موصوف کی تقریر کا اعلان ہوا۔ مولانا نے بلا تامل کرسی پر رونق افروز ہو کر خطبہ مسنونہ کے بعد خصوصیت سے یہ فرمایا کہ جمعیۃ علماء ہر قسم کی فرقہ پرستی کو ملک کی سالمیت اور بقا و ترقی کے لئے رکاوٹ سمجھتی ہے۔ جب بھی کوئی سنگین موڑ آیا ہے جمعیۃ علماء ملک کے تحفظ و بقا کے لئے میدان عمل میں آئی ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے جن عناصر نے جمعیۃ علماء کی راہ میں روڑے بننے کی سعی کی تھی، جمعیۃ علماء نے ان تمام عناصر کو آزاد ہندوستان میں معاف کر دیا مگر افسوس ہے کہ وہ عناصر آج تک جمعیۃ علماء کو معاف نہیں کر سکے۔ ان لوگوں سے درخواست کی کہ وہ خدارا جمعیۃ علماء کو اب معاف کر دیں۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی اپیل کی کہ اخبار الجمعیۃ کے خریدار بنیں۔

مولانا مرحوم نے ہر وقت کام کرنے کے لئے ایک ایڈھاک کمیٹی تشکیل فرمادی — اختتام جلسہ کے بعد نماز عشا دارالعلوم کی مسجد ہی میں ادا کی اور مولانا افتخار احمد صاحب مدرس دارالعلوم مئو کی درخواست پر ان کے حجرہ میں تشریف لا کر چائے نوش فرمائی۔ پھر وہاں سے ہم مولانا کو رخصت کرنے کے لئے بازار کا راستہ طے کرتے ہوئے کچھ دور تک گئے۔ مولانا نے باصرار واپس فرما دیا اور تنہا مفتاح العلوم تشریف لے گئے۔

ہم لوگ بعد نماز فجر ۶ جنوری ۱۹۷۳ء کی صبح کو حضرت مولانا نعمانی کی خدمت میں مفتاح العلوم پہنچے۔ وہ معمول کے مطابق اپنے ہاتھوں سے چائے ناشتہ تیار کر کے ابھی شروع کرنے ہی جا رہے تھے کہ دیکھتے ہی مسکرا کر فرمایا۔ آئیے! آئیے!! مولانا رحمت اللہ آر گنائز نہایت بے تکلفی کے ساتھ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ کا ورد کرتے ہوئے شریک دسترخوان ہو گئے۔ اور ہم لوگ بھی، ناشتہ میں

رات کی بچی ہوئی روٹی تھی جو مل کر گھی شکر میں ملا دی گئی تھی۔ چائے تیار کرتے وقت مولانا رحمت اللہ نے فرمایا" ذرا میری پیالی میں دودھ زیادہ رہے" مولانا نعمانی نے بلا تامل فرمایا کہ کیا خصوصیت ہے جناب کی کہ مساوات کے خلاف آپکی پیالی میں دودھ زیادہ رہے۔ تو مہمان موصوف نے مسکرا فرمایا، اچھا جناب کی جیسی مرضی ہو۔ حسن اتفاق کہ اخیر میں دودھ کچھ بچ رہا، جس کے لئے دوبارہ مہمان نے فرمایا کہ اب یہ بچا ہوا دودھ تو میرے حصہ میں آ ہی سکتا ہے۔ مولانا نعمانی مرحوم نے فرمایا کہ اب اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ یہ آپ حضرات کی کمزوری ہے کہ مرض کو مرض کہنے میں تامل فرمارہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں نہ اخلاص ہے اور نہ کامیابی۔ اتنے میں مدرسہ کا وقت شروع ہوگیا اور اساتذۂ کرام کی حاضری شروع ہوئی اس وقت ہم لوگ سلام و مصافحہ کے بعد واپس لوٹے۔ کیا خبر تھی کہ یہ سلام و مصافحہ آخری ہوگا اور اس آن کے بعد مولانا مرحوم پھر کبھی ہمیں نہ مل سکیں گے۔ معلوم ہوا کہ اسی دن دس بجے اساتذۂ کرام کو جمع کرکے کچھ ہدایات وغیرہ بھی دیں اور حسب معمول مدرسہ سے فارغ ہوکر پورا دن معمولات کے مطابق تمام کام انجام دیتے رہے۔ شام کو بعد نماز مغرب بازار سے مدرسہ تشریف لائے کھانا تناول فرمایا، عشار کی نماز باجماعت ادا فرمائی، پھر کتب بینی اور مطالعہ حدیث شریف میں مشغول رہے۔ کوئی ۱۰ ۱/۲ بجے کا وقت تھا کہ خلافِ معمول دل کا دورہ پڑا، دو تین طلبہ آگئے اور انھوں نے خدمت کرنا چاہی، فرمایا میں ایک گنہگار بندہ ہوں میرے لئے دعائے مغفرت کرو اور میرے جنازہ کی نماز پڑھ دینا بس میری خدمت یہی ہے۔ یہ کہا اور چند منٹوں کے بعد راہی ملک بقا ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون!۔

موت نے کر دیا خاموش وگرنہ اے دوست
گردش دہر نے بھی رنگ نہ بدلا تیرا

یادِ ماضی

از :- حاجی محمد علی، ممبر مجلس شوریٰ مفتاح العلوم مئو

بلند حوصلہ، اعلیٰ کردار اور جذبہ قومی خدمت سے معمور ہستی مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ کی عظیم اور بے مثال صلاحیتوں سے مرعوب ہو کر تقریباً پچاس سال قبل اپنے بزرگوں کے توسط سے میں آپ کا معتقد ہوا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب مولانا مرحوم خود طالب علم تھے اور عیسائی مشنری کے مبلّغین مئو کی سڑکوں پر اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے مفت لٹریچر تقسیم کرتے ہوئے مجمع اکٹھا کر کے تقریریں کرتے۔ مولانا کو ابتدائی زندگی سے ہی اپنے مذہب سے بے پناہ عقیدت تھی اور اس پر کوئی حملہ برداشت نہیں کرتے تھے۔ مجمع مذکور کا پتہ لگتے ہی آپ کتابیں بغل میں دبائے ہوئے وہاں پہنچ کر اپنی مدلّل تقریروں سے عیسائی مبلغین کو مغلوب کر کے انھیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے۔ آپ کی اس خداداد صلاحیت کا جوہر کھلتا گیا۔ جس کے نتیجہ میں آگے چل کر آپ نے نہ صرف یو. پی بلکہ دوسرے صوبوں کے بڑے بڑے مناظروں میں بھی حصہ لیکر مخالفین کو شکست دی اور قوم نے انھیں ”امام المناظرین“ کا خطاب عطا کیا۔

مولانا کے دیگر بے شمار اوصاف کے ساتھ میں آپ کے جس وصف سے زیادہ متاثر ہوا وہ تھی آپکے ایمان کی قوت اور بے خوف طبیعت۔ کسی انسان سے خواہ وہ بڑے سیاسی لیڈر رہوں یا اعلیٰ سرکاری حکام آپ کبھی کسی سے خائف

ہوتے نہیں دیکھے گئے۔

قصبہ مئو میں جہاں آپ کے مخلصین کی بہت بڑی جماعت ہے وہیں سیاسی اختلافات کی بنیاد پر کچھ مخالفین بھی رہے ہیں۔ اس دور میں جبکہ ملک کے بڑے بڑے علماء کرام کے ساتھ ناروا سلوک اور ان پر قاتلانہ حملے بھی کئے گئے۔ یہاں بھی سیاسی اختلاف عروج پر تھا۔ لوگوں نے مولانا کی زندگی کے لئے خطرہ محسوس کر کے انھیں مشورہ دیا کہ حضرت کافی رات گئے اپنے گاؤں (جو کٹرہ شاہی سے تقریباً ۲ میل دور ہے) تنہا تشریف نہ لے جائیں۔ ایسی باتیں سنکر آپ ارشاد فرماتے "تم لوگ مجھے بزدل بنانا چاہتے ہو؟ سنو! موت اپنے وقت سے ایک سکنڈ پہلے نہیں آئے گی اور جب آجائے گی تو دنیا کی کوئی طاقت ایک سکنڈ اسے روک بھی نہیں سکتی"۔

ایسے موقعہ پر آپ اکثر حضرت عمر فاروق رضہ کا واقعہ بیان کرتے۔ اسی زمانہ میں ضلع مجسٹریٹ نے آپ کو پستول رکھنے کا مشورہ دیا تھا لیکن آپ نے یہ کہتے ہوئے قبول نہ کیا کہ جناب عالی موت آجائے گی تو کیا پستول اسے واپس کر دے گا مجھے اپنے سہارے کے لئے چھڑی کافی ہے۔

مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی رحکو ان کی پوری زندگی میں کسی نے ہراساں یا پریشان ہوتے نہیں دیکھا۔ بڑے سے بڑے المناک حادثہ کو سننے کے بعد بھی آپ کے چہرے سے کوئی پریشانی یا گھبراہٹ ظاہر نہیں ہوتی۔

دینی اور قومی معاملات پر غائر نظر رکھتے تھے۔ انداز فکر ایسا ہوتا تھا کہ قریب تر رہنے والا شخص بھی سمجھنے سے قاصر رہتا۔ اہم معاملات میں اپنی صوابدید سے جو فیصلہ کر کے عملی جامہ پہناتے اسے دیکھ کر لوگ متحیر رہ جاتے۔

آپ کو خود دولت اکٹھا کرنے کی ہوس کبھی نہیں تھی۔ ابتدائی زندگی میں معاشی پریشانیوں کے باوجود محدود وسائل سے اتنا ہی مطمئن تھے جتنا آخری ایام زندگی میں..... جب کہ آپ کا خاندان فارغ البالی کے لئے مشہور ہے

آپ نے اپنے لباس میں کھدر یا گاڑھے کا استعمال ہمیشہ کیا۔ مفتاح العلوم میں قیام کے دوران اپنے ہاتھوں کھانے کے سامان خرید کر اپنا کھانا خود بناتے اور ہمیشہ کسی نہ کسی طالب علم کو اپنے ساتھ کھانے میں ضرور شریک کرتے۔ اپنی صحت کا خود کافی خیال رکھتے تھے۔ پیدل چلنا آپ کی خاص عادت تھی جس پر آخری عمر تک قائم رہے۔

انتقال کے چند گھنٹے قبل شام کے وقت آپ کے ساتھ میں تقریباً دو گھنٹہ رہا۔ اس آخری ملاقات کے دوران آپ نے چند ہدایتیں فرمائیں۔

فرمایا کہ "مدرسہ جایا کرو اور جمعہ کی نماز شاہی مسجد میں پڑھا کرو۔" مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ خود مفتاح العلوم اور شاہی مسجد کو الوداع کہنے والے ہیں۔ اسی لئے ہم لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔

پھر آخری نصیحت یہ فرمائی "دیکھو جو کام کرو نیک نیتی سے کرو اور اتنی ہمت اور مضبوطی سے کرو کہ پیچھے مڑ کر مت دیکھو کہ کون گالی دیتا ہے اور کون دعا۔"

اللہ جل شانہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ان کی مجاہدانہ زندگی کے نقش قدم پر چل کر انفرادی و قومی زندگی میں کامیابی حاصل کریں۔ آمین!

(بقیہ ص۱۲۷ کا) خبر گیری کی، مولانا اپنے ارادہ کے مضبوط انسان تھے، وہ عوام میں گھل مل کر رہتے تھے اور ان کے ہر جائز مطالبات کی حمایت کرتے تھے، مختصر یہ کہ مولانا کی ساری زندگی ایک سبق آموز کہانی ہے، جو بیباکی، قوم پروری، وطن دوستی اور علمی و مذہبی تڑپ پیدا کرنے کا جوہر عطا کرتی ہے، آپ کی زندگی میں مذہب و سیاست کا بہت ہی خوشگوار امتزاج تھا۔

ایک عظیم رہنما

از:- جناب مختار احمد صاحب بشنا تھ پورہ مئو

موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

بعض ہستیاں ایسی بھی ہوتی ہیں جو دنیا سے گذر جانے کے بعد ایسا خلا پیدا کر جاتی ہیں جس کا پُر کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، اور ایسی ہستیاں عام طور سے ہمہ گیر فکر و نظر اور سعی و عمل میں انقلاب آفریں ہوتی ہیں۔

بلا شبہ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رح کا شمار ایسے ہی لوگوں میں تھا۔ مولانا کی اچانک موت سے جو کمی پیدا ہو گئی ہے وہ ایک عرصہ تک پوری ہوتی دکھائی نہیں دیتی۔ مولانا میں بہت ساری خوبیاں تھیں۔ وہ جہاں ایک طرف ملک کے مایۂ ناز عالم دین تھے، وہیں دوسری طرف ایک سچے قوم پرور مسلمان بھی تھے جو ہندو مسلم فرقہ پرستی کی لعنتوں سے ہمیشہ الگ رہے اور اپنی زندگی کے آخری دنوں تک ہندو مسلم ایکتا کی جد و جہد میں ہمہ تن مصروف رہے مولانا کی ذات گرامی میں سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ انتہا درجہ کے نڈر اور بیباک انسان تھے۔ آپ کے اندر دوسری بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ بگڑے ہوئے سخت سے سخت حالات کا انتہائی صبر و سکون کے ساتھ مقابلہ کرنا جانتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ انھوں نے انتہائی دشوار گذار حالات کا مقابلہ کر کے سب کے

دلوں میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا تھا۔ میں اپنے زمانہ طالب علمی ۱۹۳۴ء سے مولانا کو جانتا ہوں، جب میں مفتاح العلوم میں پڑھتا تھا۔

مدرسہ مفتاح العلوم :- جامعہ مفتاح العلوم کا سنگ بنیاد آج سے تقریباً ایک سو برس قبل ۱۲۹۶ھ

مطابق ۱۸۷۸ء میں حضرت مولانا امام الدین صاحبؒ کے دست مبارک سے مغل شاہزادی جہاں آرا بیگم کی تعمیر کردہ شاندار جامع مسجد مئو کے وسیع اور پُرسکون صحن میں رکھا گیا تھا۔ پھر ۱۳۴۰ھ میں محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ نے اس کی نشاۃ ثانیہ فرمائی۔ اور حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی قوت بازو بنکر ساتھ ہو گئے اور مفتاح العلوم دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کا شمار اس وقت اسلامی دنیا کے چیدہ مخصوص، مقتدر اہل علم میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۳۴۷ھ م ۱۹۲۶ء سے ۱۳۷۰ھ م ۱۹۵۹ء تک مفتاح العلوم کی صدر مدرسی کے فرائض انجام دیئے اور ۱۳۶۶ھ ۱۹۴۵ء سے ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۰ء تک نظامت کا عہدہ بھی سنبھالا۔[۱]

مدرسہ مفتاح العلوم کی تیز رفتار ترقی مدرسہ کی سولہ سالہ روداد دیکھنے کے بعد ہمیں حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ اگر اس کے گزشتہ سولہ برسوں کی تاریخ کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ۱۳۷۶ھ میں مدرسہ کے طلبا کی تعداد (۷۸۴) اور مدرسین کی تعداد (۱۹) تھی جبکہ ۱۳۹۱ھ ۱۹۷۱ء میں طلباء کی تعداد بڑھ کر (۱۵۱۶)

۱؎ حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن دامت برکاتہم کی علیحدگی کے بعد ۱۳۷۱ھ سے صدارت تدریس پر حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ فائز ہوئے ۱۳۷۷ھ میں مولانا نعمانی صاحب ایم۔ ایل۔ اے ہو گئے تو آپ نے اپنی جگہ پانچ سال کے لئے حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی مدظلہ کو کر دیا اور پھر ۱۳۸۱ھ سے سابق بدستور مولانا نعمانیؒ صدارت تدریس پر آگئے اور تادم آخر اس عہدہ پر فائز رہے۔ حضرت مولانا نعمانی رحؒ کا یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کو اچانک انتقال ہو گیا۔ مجبوراً مفتاح العلوم کے موسس ثانی حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن مدظلہ کو یہ جگہ سنبھالنی پڑی۔ اس وقت شیخ الحدیث، صدر مدرس اور ناظم سب کچھ تنہا آپ ہی ہیں۔ طال اللہ بقاءہٗ (مرتب)

اور مدرسین کی تعداد (۴۱) تک جا پہونچی۔ اس طرح مدرسہ کا گوشوارہ آمد و خرچ ۱۳۷۶ھ / ۱۹۵۵ء میں اکتیس ہزار چارسو اٹھائیس روپے چھیاسی پیسے تھا لیکن ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء میں یہ بڑھ کر ایک لاکھ چھپن ہزار چھ سو اکتیس روپے چھیاسٹھ پیسے ہو گیا۔ اس وقت مدرسہ اور اس کی ملحق شاخوں میں (جس میں لڑکوں کے لئے چار اور لڑکیوں کے لئے دو تعلیم گاہیں ہیں جو شہر کے مختلف محلوں میں تعلیمی میدان میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے رہی ہیں) اس وقت تعلیم پانے والے طلبار کی مجموعی تعداد (۱۶۵۳) ہے جن میں باہری طلبار کی تعداد (۱۵۴) ہے اور مدرسین کی مجموعی تعداد (۴۱) ایسے باہری اور مقامی طلبہ کی تعداد جن کی مدرسہ کفالت کرتا ہے (۱۶۱) ہے۔

اساتذۂ کرام اور طلبار کے مطالعہ کے لئے مدرسہ میں ایک شاندار لائبریری (دارالمطالعہ) بھی ہے جس میں مختلف موضوعات کی تقریباً چار ہزار کتابیں موجود ہیں۔

مفتاح العلوم اور اس کی ملحق شاخوں میں تعمیر کئے گئے کمروں کی مجموعی تعداد (۷۵) ہے۔ ان عمارتوں کو دیکھ کر مولانا نعمانی رحمہ کے تعمیری ذوق کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مولانا اپنی ذات سے سراپا عمل تھے، اور علوم دینیہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے علمی، دینی اور سیاسی امور میں آپ سے سیکڑوں افراد نے استفادہ کیا ہے۔ جب سے آپ مدرسہ مفتاح العلوم سے منسلک ہوئے تعلیمی اور انتظامی دونوں شعبوں میں آپ نے دلچسپی اور بھرپور حصہ لیا۔ گویا ۴۵ سال سے زیادہ آپ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مفتاح العلوم کی خدمت کی اور ادھر دس پندرہ سال سے بظاہر مفتاح العلوم کا سارا عملی بوجھ آپ تنہا اٹھائے ہوئے تھے۔ اور کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے اپنے دور میں اس دینی درسگاہ کو ترقی دی اور اُسے نہ صرف اپنے شہر بلکہ مشرقی یو۔ پی کی بڑی مذہبی درسگاہوں میں تبدیل کر دیا۔

لہ جامعہ مفتاح العلوم کی مختلف عمارتیں مختلف ادوار میں بنی ہیں۔ ان میں ایک بڑا حصہ حضرت الاستاد مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ کا بنوایا ہوا ہے اور ایک حصہ حضرت مولانا محمد ایوب اعظمی مدظلہ کے دور نظامت کی یادگار ہے (مرتب)

مذہبی زندگی:- مولانا نے اپنے تبحر علمی، اخلاص للّٰہیت اور جد وجہد سے بڑے اہم کارنامے انجام دیئے جسے آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکتا. مولانا کی مذہبی تڑپ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ہمیشہ علم دین کی اشاعت اور درس وتدریس میں لگے رہے. اور میونسپل بورڈ کی کرسئ صدارت پر فائز ہوئے اور ساری سیاسی سرگرمی کے باوجود کبھی مفتاح العلوم کے فرائض میں معمولی سی بھی کوتاہی گوارا نہیں کی. سیاست سے وابستگی کے باوجود مزاج خالص علمی اور دینی تھا.

مولانا کی مذہبی زندگی کا ایک گوشہ یہ بھی تھا کہ عام طور سے آپ ضلع اور خاص طور سے ہمارے شہر مئو کے سیکڑوں مذہبی جلسوں میں عوام وخواص کو اپنے مواعظ حسنہ سے مستفید فرماتے تھے.

اس کے علاوہ ملک کے مختلف حصوں میں ہونے والے سیرت پاک اور دوسرے مذہبی چھوٹے بڑے جلسوں میں بھی شرکت کرتے اور بندگانِ خدا کے دلوں میں مذہبی حرارت پیدا کرنے کی سعی فرماتے.

ملک کے گوشہ گوشہ میں مولانا کے شاگرد بکثرت پائے جاتے ہیں. آپ نے اپنی کوششوں اور کاوشوں سے بہت سے بگڑے ہوئے انسانوں کو سنوارا اور انھیں سماجی سیاسی اور مذہبی عزت بخشی.

سیاسی زندگی:- مولانا مرحوم سیاست میں ہمیشہ جمعیۃ العلماء ہند اور کانگرس جیسی ترقی پسند پارٹیوں سے وابستہ رہے اس سلسلہ میں انھیں قید وبند کی صعوبتیں بھی اٹھانی پڑیں، اور اپنوں کی مخالفتیں بھی برداشت کرنی پڑیں مگر کبھی ملول خاطر نہیں ہوئے. آپ نے کسی دور میں بھی فرقہ پرستی سے سمجھوتہ نہیں بلکہ اس کے زہریلے اثرات کے خلاف لڑتے رہے.

اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے اور اس کے بعد اقلیت واکثریت کے افراد باہم ٹکرائے مگر ہمارے علاقہ میں مولانا نعمانی رح کی برکت سے کہیں کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا.

مجھے یاد ہے کہ ایک بار انھوں نے تقسیم ملک کی حمایت کرنے والوں کے جواب میں کہا تھا کہ ہمیں قیام پاکستان کے بعد بھی یہیں رہنا ہوگا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ قیام پاکستان سے چند جاگیرداروں، سروں، خان بہادروں اور سرمایہ داروں کا تو بھلا ہوگا۔ باقی غریب اور پسماندہ مسلم طبقوں کا اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد وہاں پر سندھیوں، پنجابیوں بنگالیوں کے علاوہ بڑے پیمانہ پر زبان کے جھگڑے جنم لیں گے۔ مولانا کی دوررس نگاہوں نے آج سے ایک چوتھائی صدی قبل جو اندازہ لگایا تھا وہ آج ہماری نظروں کے سامنے ہے۔

بارہا دیکھا گیا کہ مولانا اپنے ہمدردوں کے ساتھ اپنے سیاسی مخالفوں سے بھی برابر ملتے رہے اور انھیں اپنے ساتھ لے کر چلنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا یہاں کے میونسپل بورڈ کی چیرمینی کے اہم عہدہ پر گذشتہ سولہ برسوں میں تین بار منتخب ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک بار صوبائی اسمبلی کے لئے بھی چنے گئے اور اسی دوران یو۔ پی بیکا کانپور کے خصوصی رکن کے عہدہ کے لئے بھی انھیں منتخب کیا گیا۔

۱۹۷۱ء کے لئے میونسپل بورڈ کے چناؤ کے بعد میونسپل بورڈ کی سیاست میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی اور کوئی باہمی کشمکش باقی نہیں رہی، مگر مشیت ایزدی کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قبل اس کے کہ مولانا اپنے بنائے ہوئے نقشہ کے مطابق اپنے شہر کو دیکھیں انھیں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی میں طلب کرلیا

عوامی زندگی:- مولانا مرحوم اپنی سیاسی اور مذہبی زندگی کے ساتھ ساتھ یہاں کی عوامی زندگی میں بھی ہمیشہ رہنمایانہ حصہ لیتے رہے۔ انھوں نے ہر موڑ اور ہر قدم پر اپنے عوام کے درمیان رہ کر انکی مشکلات اور مسائل کو سمجھا اور انھیں حل کرنے کی کوشش کی۔ انھیں عوامی مفاد کے سلسلہ میں اپنے بعض مذہبی دوستوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا مگر وہ نہایت استقلال سے

اپنے ارادوں پر جمے رہے۔ مولانا اخیر تک شہر کی تعلیمی اور سماجی زندگی کو سنوارنے میں منہمک رہے۔ مخلوق خدا کی ہمدردی ان کے رگ وپے میں سمائی ہوئی تھی۔ بلا استثنا اور بلا امتیاز سب کی خدمت کرنا آپ کا عزیز ترین مشغلہ تھا اور تعلیم وتدریس کے بعد دن رات کا بیشتر حصہ اسی میں گذرتا تھا۔ کوئی سرکاری وغیر سرکاری ملازمت کا خواہاں ہوتا اور کوئی وظیفہ اور امداد کا طالب اور کسی کو اسکول وکالج میں داخلہ کی فکر۔ آپ سب کی امداد کرتے اور سبھوں کو سہارا دیتے مولانا مرحوم ہر ضرورت مند کے لئے وہ سب کچھ کرتے جو ان کے بس میں ہوتا تھا یہاں کے بنکروں کی طرف سے چلنے والی کوئی تحریک، ڈپو تحریک، بنکر ایکشن کمیٹی جس کے مولانا موصوف صدر بھی تھے اور اس قسم کی دوسری ہینڈ لوم اور اس کی ہمدردی میں چلنے والی سبھی تحریکوں میں انھوں نے نہایت سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا اور ہر طرح کی مخالفت کا سامنا کرتے ہوئے برابر آگے بڑھتے رہے۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا " کاہل سماج میں سب سے اچھا اور سستا کام تنقید اور نکتہ چینی ہے اور وہ بھی ایسی تنقید جو تعمیر کے بجائے تخریب کی طرف لے جاتی ہو"۔

" ان کا قول تھا کہ مخالفت کی پرواکئے بغیر انسان کو صحیح راستہ پر محنت، لگن اور ہمت کے ساتھ آگے بڑھتا رہنا چاہیئے"۔

۲۹ر مارچ ۱۹۶۹ء کا دن ہمارے قصبہ کی تاریخ میں ہمیشہ ایک سیاہ دن شمار کیا جائے گا جس میں ایک منظم سازش کے تحت مئو اور اس کے اطراف میں چند فرقہ پرستوں کی طرف سے فساد کے شعلے بھڑکانے کی کوشش کی گئی۔ اس فساد میں سرکاری مشنری نے مقامی فسادیوں اور فرقہ پرست عناصر کے ساتھ مل کر شہر کو ۲۷ گھنٹہ تک کرفیو کے حوالہ کر دیا۔ ان دشوار گذار حالات میں جبکہ قدم قدم پر جان کا خطرہ تھا، مولانا نے محلہ محلہ پہونچکر لوگوں کی (بقیہ ص۱۳۱ پر)

آہ! میرِ کارواں چلا تارہا

(از:- ارشد اعظمی مئوناتھ بھنجن)

۶؍جنوری ۱۹۷۳ء یکشنبہ کی شب کو شیخ الجامعہ حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی صاحب حسب معمول نمازِ عشاء ادا کرنے کے بعد فتح الباری کے مطالعہ میں مصروف تھے کہ ۱۰ بج کر ۲۵ منٹ پر فرشتۂ اجل نے آواز دی، فوراً اس کے ساتھ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس خبرِ وفات کو سنتے ہی مجھ پر سکتہ کا عالم ہو گیا، اب میں اپنے اوپر قابو پا چکا تھا، چنانچہ سیدھا مدرسہ کو روانہ ہو گیا، مولانا کا جسدِ خاکی مدرسہ کے بڑے سے ہال میں چادر سے ڈھکا ہوا تھا، چادر ہٹا کر دیکھا۔ آہ..... کتنا شاہانہ سکوت، کتنی پُر وقار نیند تھی، ابدی نند......، یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا بس یہی خیال ہوتا کہ اب اٹھیں گے، اب بولیں گے، اب نماز کے لئے پکاریں گے اب لڑکوں کو جگائیں گے، لیکن آہ..... کچھ بھی نہیں ہوا۔

لوگ اٹھا کر امام گنج لے گئے، جہاں آپ کے بال بچے رہتے سہتے ہیں، صبح ہو گئی، دائمی فرقت کی صبح، وداع کی صبح، بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ساری فضا نے کفن اوڑھ لیا ہے، لوگ جسمِ اطہر کو اٹھا کر باہر صحن میں لائے، کرتا کاٹ کر نکالا گیا، بے اختیار جی چاہتا تھا کہوں، ؎

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملیں گے ✣ کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

سب لوگوں نے مل کر ان کو تخت پر لٹایا، ان کا جسم کتنا نرم تھا، چہرے پر وہی سنجیدگی، وہی وقار، وہی متانت، وہی تبسم، اب تک موجود تھا۔ دس بجے دن میں رخصت کا لباس پہنایا گیا، داڑھی میں کافور اور عطر ملا گیا،

مسہری پر لٹایا گیا، گیارہ بجے جنازہ گھر سے روانہ ہوا، ہزاروں مسلمانوں نے کندھا دیا، ہر شخص کندھا دینے میں ایک دوسرے سے سبقت کرنا چاہتا تھا۔

آپ کے جنازے کا منظر بھولتا ہی نہیں، امیر، غریب سب برابر کے شریک تھے، سب کی آنکھیں نمناک تھیں، لب کانپ رہے تھے، جیسے ان کا باپ، ان کا بھائی، ان کا سب کچھ آج رخصت ہو رہا ہو، ان کا عزیز ترین محبوب ان سے چھن گیا ہو۔

یوں تو ان کی محبوبیت کے بہت سے واقعات دیکھے، لیکن اس دن اندازہ ہوا کہ ہر خاص و عام کے قلوب میں ان کی کتنی جگہ تھی۔ جنازہ لاکر لوگوں کی زیارت کے لئے مدرسہ مفتاح العلوم کے وسیع میدان میں رکھ دیا گیا، زائرین اور مشتاقین کی قطار بنا دی گئی، جو یکے بعد دیگرے سامنے سے آتے اور چہرۂ انور کو ایک نظر دیکھ کر گذر جاتے، یہ سلسلہ ڈیڑھ بجے تک جاری رہا۔

اس وقت کتنا درویشانہ جلال اور کتنا روحانی وقار تھا، خیالات و جذبات کا سیلاب امڈتا چلا آ رہا تھا، آنسو تھمتے نہ تھے، نگاہیں ان کے چہرے پر مرکوز تھیں کہ ؎

جی بھر کے دیکھ لیں یہ جمالِ جہاں فروز ٭ پھر یہ جمالِ نور تو دیکھا نہ جائے گا

اے استاذ محترم! آپ آج کیوں نہیں بولتے۔ دیکھئے! آج آپ کے شربت دیدار کے تشنہ کام جمع ہیں، آپ نے کبھی بھی تو کسی کو مایوس نہیں لوٹایا، آپ سے نصیحت سننے کے لئے یہ انسانوں کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، یہ وہی ہیں جن کے لئے آپ نے اپنے آرام کو آرام نہیں سمجھا، اپنی راحت کو راحت نہیں سمجھا، یہ کسی غرض سے نہیں آئے ہیں، یہ تو صرف آپ سے خلوص و محبت کے ساتھ ملنے آئے ہیں،

بعد نماز ظہر شاہی مسجد کے امام مولانا منیر الدین صاحب نے جامع شاہی کے سامنے والے میدان میں نماز جنازہ پڑھائی، تیس چالیس ہزار (بقیہ صـ۱۳۳ پر)

ایک المناک حادثہ

(از:۔ مولانا اشفاق احمد خاں مفتاحی مدرس جامعہ مفتاح العلوم مئو)

خلاف عادت قبل از وقت بستر استراحت پر محو خواب ہوا، ابھی نیند نے چادر ہی تانی تھی کہ ناگاہ کسی کی غمناک کراہ کی کانوں میں آواز آئی اشفاق..... اشفاق..... کیا سو گئے.....؟

دوسری آواز کے ساتھ ہی میں دروازے کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صدر صاحب[1] تکلیف سے بیکل اور پریشان ہیں، ہر آہ استغفار کی طالب، ہر کراہ توبۂ نصوح کی جالب، جسم قابو سے باہر، قدم ڈگمگا رہے تھے، آواز تھرتھرا رہی تھی، تنفس کے زیر و بم حالات کی نزاکت کا پتہ دے رہے تھے، میں نے اپنی بے طاقتی کے باوجود صدر صاحب کو سہارا دیا مگر چند قدم چلنے کے بعد طاقت رفتار نے دم توڑ دیا اور آپ بے دم ہو کر جاڑے کی ٹھنڈی رات میں ٹھنڈے فرش پر دراز ہو گئے۔ ہر چہار سو نظر دوڑائی مگر ایک تنکے کو بھی حرکت میں نہیں پایا، مایوس ہو کر سوچنے لگا آخر کیا کروں؟

صدر صاحب ابھی تک کچھ بولتے جا رہے تھے، بات صاف سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، مگر یہ جملہ بہت ہی صاف سنائی پڑا کہ "جاؤ ڈاکٹر لاؤ، اس وقت میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہے"

اتنے عرصے میں سامنے کے گیٹ کا چپراسی میرے کمرے میں آچکا تھا، میں

[1] یعنی حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی (مرتب)

نے ساری ذمہ داری اس کے سپرد کی اور قریبی ڈاکٹر کی طرف دوڑ پڑا، چند قدم چلنے کے بعد یہ گمان گزرا کہ مدرسہ کے ذمہ دار کو بھی اطلاع دینی ضروری ہے، چنانچہ یہ خیال آتے ہی نائب ناظم صاحب کے مکان کی طرف قدم اٹھ گئے، چونکہ جاڑے کی رات تھی، اس لئے بیدار کرنے میں تقریباً پانچ سات منٹ کا وقفہ لگا۔

نائب ناظم صاحب کو اس کیفیت سے مطلع کیا اور ساتھ ہی ڈاکٹر کی ڈسپنسری کی طرف قدم بڑھنے لگے، خدا کا کرنا کہ ڈسپنسری کھلی ملی، ڈاکٹر سے بات کی، مگر اس کی حالت خود ناگفتہ بہ تھی، چند گولیاں دے کر بچوں کی طرح بہلانا چاہا، مگر غم و غصہ سے بیتاب دل اس کے کھلونے سے بہلنے والا نہ تھا یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری۔

معاً خیال گزرا کہ قریب کے دوسرے ڈاکٹر کے پاس کیوں نہ چلا جائے چنانچہ خیال فیصلے میں بدل گیا، ہم لوگ تیز تیز قدم بڑھاتے ڈاکٹر لاری کے پاس پہنچے وہ بھی کھانا تناول کرنے لگے، حالت کی نزاکت کو بغور سنا، مگر رکشہ لانے پر مصر ہو گئے ہم لوگ چوراہے کی طرف دوڑے مگر جاڑے کی رات کے دس گیارہ بجے کہاں رکشا ملتا ہے، مجبور اور مایوس ہو کر بازار کی طرف دوڑ پڑے، چند قدم چلنے کے بعد ایک رکشے کی آہٹ معلوم ہوئی، راہ روک کر کھڑا ہو گیا، گڑگڑا کر آرزو منتی کی اور رکشا کے مسافر کو پیدل جانے پر تیار کر لیا،

بہر کیف ڈاکٹر صاحب جس وقت میرے کمرے میں پہنچے مولانا کی روح اقدس قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ ڈاکٹر اپنی سستی اور سرد مہری پر کف افسوس مل رہا تھا۔ مگر اس وقت پچھتائے کیا ہوتا ہے جب چڑیا چگ گئی کھیت۔

تم کون سے ایسے تھے کھرے داد و ستد کے ٭ کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

الغرض اب رات کے گیارہ بج چکے تھے، یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح برابر پھیلتی جارہی تھی، لوگ جوق در جوق آتے جارہے تھے اور دیکھ کر حیرت بداماں تھے کہ آخر یہ کیا ہو گیا؟

اپنے اور پرائے سب ہی جمع ہوتے جا رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے سارا کمرہ ہی نہیں بلکہ سارا مدرسہ انسانوں سے بھر گیا، اکثر کی آنکھیں آنسوؤں سے شرابور تھیں، کچھ آنکھوں میں تو آنسو جذب ہوتے جا رہے تھے مگر چہرہ غم و اندوہ کی غمازی کر رہا تھا، اس طرح پوری رات آہ و بکاہ میں کٹ گئی۔

اس درمیان گھر والوں کے اصرار پر یہ طے پایا کہ نعش امام گنج لے جائی جائے، چنانچہ نعش تقریباً ۸ بجے صبح سویرے امام گنج لے جائی گئی، ادھر مدرسہ کے تمام ذمہ دار حضرات نے طے کیا کہ مولانا کو اسی احاطہ میں دفن کیا جائے جہاں ہمہ وقت چلتے پھرتے تھے، الغرض مدرسہ کے احاطہ کے اندر ہی آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

یوم یکشنبہ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کی تاریخ یاد رکھی جائے گی کہ مولانا کی ہردلعزیزی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی نماز جنازہ میں تقریباً چالیس ہزار مسلمان شریک تھے، انسانوں کا ایک جم غفیر تھا، بچے، جوان، بوڑھے، ہندو مسلمان سبھی کو مولانا سے عقیدت تھی اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ مولانا نے اپنی زندگی کے ہر ہر لمحے کو قوم و ملت کے لئے وقف کر رکھا تھا، آزادی کی جنگ میں آپ نے بھی وہی رول اور کردار ادا کیا تھا جو نہرو، ابوالکلام آزاد وغیرہ نے ادا کیا، جیل بھی گئے اور مختلف سختیاں بھی برداشت کیں مگر جس راہ کو سیدھی اور حق سمجھا اس پر چلتے رہے، اور آخری سانس تک اسی نظریہ کے حامی اور مددگار رہے۔

آپ نے جہاں قوم کو ارادہ کی پختگی، اصول کی عظمت اور ہر حالت سے نبرد آزما ہونے کی ہمت عطا کی وہیں تقویٰ، پرہیزگاری اور بندگی کا بھی درس دیا، آپ جہاں مفتاح العلوم مؤ کے شیخ الحدیث تھے، وہیں قصبہ کے میونسپل بورڈ کے منصف اور حساس چیرمین بھی، اگر ایک طرف سیرت کے شعلہ بیان مقرر تھے تو دوسری طرف سیاست کے مرد میدان بھی۔

وقت نے آپ کو ہر میدان کا بہادر سپاہی پایا، اگر کوئی مذہبی جلسہ ہوتا تو آپ ایک بزرگ باصفا شیخ الحدیث کے شکل میں نظر آتے، اور اگر کہیں سیاست

کامیدان ہوتا تو ایک مدبر، مفکر اور شیر مئو کی شکل میں نمودار ہوتے۔

الغرض یہ سب اس طور پر ہوا گویا کسی نے اچانک بجلی کا بٹن دبا دیا ہو اور سارا گھر تیرگی سے بھر گیا ہو،

آج مولانا ہمارے درمیان نہیں رہے، مدرسہ سونا ہو گیا، اور زندگی کی رفتار مدھم۔

(بقیہ ص۱۲۹ کا) مسلمانوں نے نماز جنازہ پڑھی، مدرسہ کے جنوبی گوشہ میں قبر تیار تھی، اس میں اتارا گیا۔

نفاست طبع کی وجہ سے جس کے کپڑے پر کبھی دھبہ نظر نہیں آتا تھا، آج وہ مٹی کی خواب گاہ میں بے تکلف سو رہا تھا، جس نے ہمیں بہت کچھ علم کی دولت دی تھی، افسوس اس کو چند مٹھی مٹی کے سوا کچھ نہ دے سکا۔

اللہ تعالیٰ آپ کی تُربت پر رحمت کے پھول برسائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ ؎

ابر رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریمی ناز برداری کرے
آمین

ایک شفیق استاذ اور بے نظیر عالمِ دین

(از:- مولوی نورالحسن متعلم دورۂ حدیث مفتاح العلوم مئو)

ایسے لوگ کم ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے علمی اور عملی کارنامے سے دنیا والوں کو ایک گونہ متاثر کیا ہو، اور اپنا کوئی نقش دوام چھوڑ گئے ہوں، لیکن بہرحال کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرنے کے بعد بھی مرتے نہیں، بلکہ اپنے مساعی جمیلہ اور روشن وزریں کارناموں کی وجہ سے حیاتِ دوام کے مالک ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ انھیں لوگوں میں تھے، آپ کی زندگی کا ہر لمحہ تعلیمی مشاغل، ملک وقوم کی خدمات، خلق خدا سے بے پناہ محبت، اور ان کے لئے ایثار و قربانی سے معمور رہا، مولانا بیک وقت بہت سارے اوصاف کے مالک تھے۔

ایام طالب العلمی کے فوراً بعد درس وتدریس

ایام طالب علمی ہی میں آپ کی خداداد صلاحیت اور بھرپور استعداد و قابلیت نکھر کر سامنے آگئی تھی، آپ کے اساتذہ کرام آپ کی ذہانت اور زود فہم کے معترف تھے، چنانچہ فراغت کے فوراً بعد اساتذہ کے حکم سے دارالعلوم مئو میں اونچی اونچی معیاری کتابوں کا درس دینے لگے، بعد میں آپ مفتاح العلوم میں آگئے اور پھر آخری دم تک یہیں کے ہو کر رہ گئے، اور اسی گلستانِ علم و دانش میں اپنی قابلیت کے جوہر بکھیرتے رہے، اور اس کو بام عروج پر پہنچایا۔

ہر فن میں مہارت

آپ کو ہر فن میں پوری دسترس اور سارے دینی علوم پر پورا عبور حاصل تھا، شروع میں معقولات سے گہرا لگاؤ تھا، اس فن میں بہت ساری کتابیں پڑھائیں، اخیر میں حدیث سے شغف تھا، یوں آپ ہر فن میں کامل

مہارت رکھتے تھے، اور فقہ، اصول فقہ، معانی، تفسیر، کلام ہر فن کا درس دیا کرتے تھے۔

درسی تقریر اور اس سے شغف آپ کی تقریر نہ اتنی لمبی چوڑی ہوتی کہ طالب علم اکتا جائے اور نہ اتنی مختصر کہ مطلب سمجھنے میں مشکل پیش آئے، بلکہ آپ طلبہ کے ذوق وذہن کو مدنظر رکھ کر اس طرح جامع اور مختصر بات فرماتے کہ وہ فوراً ذہن نشین ہو جاتی، خاکسار کو ہر فن کی ایک دو کتاب مولانا سے پڑھنے کا موقعہ ملا ہے، کیا مجال کہ طلبہ ذرا بھی دھیان دے اور بات سمجھ میں نہ آئے،

درس وتدریس کا مشغلہ اتنا محبوب تھا کہ اپنی دوسری ساری مصروفیتوں کے باوجود کبھی سبق ناغہ نہ فرماتے، طبیعت ناساز رہتی کبھی کبھار بخار بھی رہتا، لیکن اس حالت میں بھی اسباق ضرور پڑھاتے، کہا جاتا مولانا آج آرام فرمالیا جائے طبیعت کو سکون مل جائے گا، لیکن کسی کی کچھ نہیں سنتے، وفات سے ایک دو سال قبل مولانا عموماً فرمایا کرتے کہ۔

"میں نے زندگی میں بہت دوڑ دھوپ کی، اب سوچتا ہوں اپنے تمام مشاغل سے کنارہ کشی اختیار کرلوں، اور کچھ دنوں سکون کی زندگی گھر بیٹھے گذاروں"

لیکن علم سے بے پناہ محبت اور قومی دکھ و درد نے ان کی اس خواہش کو عملی جامہ نہیں پہننے دیا۔

مطالعہ وکتب بینی مطالعہ اور کتب بینی کا مولانا کو بے حد شوق تھا۔ درسی کتابوں کی شروحات وحواشی کے علاوہ غیر درسی کتابیں حتی کہ اردو رسائل و جرائد بھی خوب دلجمعی کے ساتھ دیکھتے۔ آپ اپنے شاگردوں کو بھی برابر مطالعہ کی تاکید کرتے رہتے اور فرماتے۔

"جتنا زیادہ مطالعہ کروگے معلومات میں اتنا ہی اضافہ ہوگا"

تلامذہ کے ساتھ تعلق خاطر اپنے شاگردوں کے ساتھ مولانا غایت درجہ شفقت

فرماتے، اور سب کے ساتھ یکساں پدرانہ سلوک سے پیش آتے، پڑھاتے وقت جتنے سخت معلوم ہوتے بعد میں اس سے زیادہ نرمی کا برتاؤ کرتے، غلطی ہوتی تو مناسب تنبیہ ضرور فرماتے، کوئی بیمار ہوجاتا تو اس کی دیکھ بھال، علاج ومعالجہ کا خاص اہتمام کرتے، اور برابر اطمینان وتشفی دلاتے رہتے، کسی کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ گھر سے باہر زندگی گذار رہا ہے۔ جو خود کھاتے طلبہ کو بھی وہی کھلاتے، کھانے میں کوئی فرق نہیں ہوتا، کوئی اپنی ضرورت سے پہنچتا تو فوراً اسے خود پورا کرتے، یا مدرسہ سے اس کی ضرورت پوری کرواتے، ہمیشہ اچھی اچھی نصیحت فرماتے اور حوصلہ افزائی کرتے رہتے۔ فرماتے کہ

"ایام طالب علمی ہی میں اپنے اندر اچھی استعداد وقابلیت پیدا کرلو جو پڑھو اسے بار بار یاد کرو، اور اعلیٰ قسم کے کارآمد مولوی بننے کی کوشش کرو، کم درجہ کا انسان بننے کا خیال اپنے ذہن سے نکال ڈالو، ہمیشہ حوصلہ بلند اور جذبہ جوان رکھو، اپنے لئے کوئی نشانہ متعین کرلو، مثلاً مجھے محدث، مفسر، یا بہترین ادیب بننا ہے، اور پھر اس کے لئے شروع ہی سے خوب دل لگاکر محنت کرو، ضرور کامیاب رہوگے، اور اگر تم نے آج یونہی اپنی زندگی بے کاری میں ضائع کردی تو ہمیشہ تمہیں کفِ افسوس ملنا پڑے گا، اپنے مستقبل کو سنوارنا تمہارے ہاتھوں میں ہے۔"

فرماتے کہ۔

"آج کل کے طلبہ کو دیکھ کر مجھے کافی تکلیف ہوتی ہے وہ محنت نہیں کرتے، ان کا کچھ مقصد نہیں ہوتا"

اپنی مثال دے کر بتلاتے کہ۔

"میں نے نہایت عسرت وتنگ دستی کے عالم میں علم حاصل کیا ہے، میرا مقصد بالکل یہ نہیں تھا کہ میں علم کے ذریعہ دنیا کماؤں گا،

بلکہ میں نے علم دین صرف دین کے لئے اور مذہب کو زندہ کرنے کے لئے حاصل کیا۔"

زمانہ مدرسی میں توکل | یہ بھی فرماتے تھے کہ۔

"فراغت کے فوراً بعد مجھے میرے اساتذہ نے دارالعلوم مئوہی میں مدرسی کے لئے بلوایا اور سوال کیا کہ تم کتنی تنخواہ لوگے، میں نے کہا کہ مجھے تنخواہ کے متعلق کچھ نہیں کہنا ہے جو آپ لوگ دیدیں گے، میں اس میں بالکل چوں وچرا نہ کروں گا، میرا مقصد صرف پڑھانا رہے گا، چنانچہ پچیس روپے ماہانہ مقرر ہوئے۔"

مولانا فرماتے تھے کہ

"میں نے کبھی اپنی تنخواہ میں اضافہ کے لئے کوئی درخواست نہیں دی میں نے ہمیشہ خدا پر بھروسہ کیا ہے، تم لوگ دیکھتے ہو کہ آج مجھے کسی چیز کمی نہیں ہے، خدا نے مال ودولت، اولاد واحفاد سب کچھ عطا فرمایا ہے، اور یہ سب میرے توکل علی اللہ کا ثمرہ ہے، تم لوگ بھی دین کو صرف دین کے لئے سیکھو اس سے اور کوئی مقصد تمہارا نہیں ہونا چاہئے، خدا تمہاری ضرور مدد کرے گا، اور یقین جان لو کہ تم سکون وچین کی زندگی گذاروگے"

اپنے تمام شاگردوں کے متعلق مولانا کی یہی دلی خواہش رہتی کہ وہ کسی لائق ہوجائیں ان کو اچھا کارآمد بنانے کے لئے آپ کوشش کرتے۔

تلامذہ | بحمداللہ محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی دامت برکاتہم اور آپ کی جانفشانی اور کوشش کامیاب رہی، آپ ملک کے طول وعرض پر نظر دوڑائیں گے تو سیکڑوں ایسے دینی قائدین اور علماء کرام ملیں گے جنہوں نے ان حضرات کے گلستان علم سے براہ راست خوشہ چینی کی ہے، اور اس سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔ اور آج اس کی بدولت وہ مسلمانوں کے دینی ملی کام کی انجام دہی پر مامور ہیں۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اڈیٹر الفرقان لکھنؤ، حضرت مولانا محمد حسین

بہاری استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی استاذ حدیث مفتاح العلوم مئو، حضرت مولانا عبدالرشید صاحب اعظمی نائب الصدر مفتاح العلوم مئو، حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مفتاحی استاذ دارالعلوم ندوہ، مولانا محمد مصطفےٰ مفتاحی نائب قاضی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی مفتاحی ایم، ایل، اے و جنرل سکریٹری کانگریس کمیٹی اترپردیس وغیرہم یہ سب کیا ہیں، مولانا کے علم کے پرتو ہیں، اور مولانا سے استفادہ کرنے کے بعد آج علمی حلقوں میں بڑی شہرت وناموری کے مالک ہیں۔

آج آپ کے انتقال سے آنکھیں اشکبار ہیں، سیاسی حلقوں میں صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے اور ہر ہر قدم پر مولانا کی کمی کا احساس ہو رہا ہے۔

(بقیہ ص۱۴۳ کا) حضرات قابل ذکر ہیں۔

محدث العصر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم، حضرت مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی اڈیٹر الفرقان لکھنؤ، حضرت مولانا اسعد مدنی جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند دہلی، شری چندرجیت یادو جنرل سکریٹری کل ہند کانگریس دہلی، راجندر کماری باجپئی سابق صدر صوبہ کانگریس کمیٹی یوپی، عالیجناب اکبر علی صاحب گورنر اترپردیش لکھنؤ، مسٹر ضیاء الرحمٰن انصاری نائب وزیر مرکزی گورنمنٹ دہلی۔

ایک عالم ربانی کی جدائی

(از :۔ مولوی مصطفےٰ متعلم دورۂ حدیث جامعہ مفتاح العلوم مئو)

آہ وہی شیخ الحدیث، صدر المدرسین جس کی آغوش تعلیم و تربیت میں ہم کل تک وافر خوشیاں لیے مچلتے تھے، آج ہمیں کیسے نیم جاں تڑپتا چھوڑ کے راہیٔ خلد بریں ہوئے، آہ! وہی پیر شیخ و برہمن جو کل ۹½ بجے رات تک بادۂ علم و حکمت کے شیریں گھونٹ ہماری حلقوں میں اتار رہے تھے، آج ہم بیقرار تشنگان علم کو تڑپتا چھوڑ کر راہی ملک بقا ہوئے، بخاری شریف کھولتے ہی فرمایا تھا۔

"کوئی مولوی آج تیز تیز کتاب الایمان کی عبارت پوری کرلے، انشاءاللہ کل سے کتاب العلم شروع ہوگی"

مگر آج درسگاہ سونی سونی ہے، آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں، اور آپ سفید جامہ میں خاموش پڑے سو رہے ہیں، اُف کیا خبر تھی بخاری شریف کی کتاب الایمان ختم کرانے والا خود ایمان کا سوغات لے کر دوسری دنیا میں محو خرام ہوگا۔

آج استاذ محترم کی ایک ایک بات یاد آرہی ہے، اور دل کو زخم لگا رہی ہے یہ ہزاروں کا مجمع ہے اور سب کی پلکیں بھیگی ہوئی ہیں، اُف! ابھی کل آپ اپنے عزیز صالح نعمانی سے فرما رہے تھے۔

"میاں صالح! بقرعید بعد جب بخاری شریف کا سبق رات میں بھی ہوگا تو تم کیا کروگے"

ہائے کتنی منحوس وجانگسل یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ اور ۶؍جنوری ۱۹۷۳ء کی شب دیجور ثابت ہوئی، جس کی ساڑھے گیارہ والی ساعت میں ہم سب یتیم ہوگئے، مئو کی رونق چھن گئی اور مفتاح العلوم کا جاہ وجلال گہن میں آگیا، اور جب صبح ہوئی تو پورا

ملک ماتم کناں اور حیران تھا کہ یہ کیا ہوا، مئو اور اطراف مئو، اعظم گڈھ، بنارس اور بلیا کے مدارس دینیہ میں ماتم بپا تھا۔

حضرت الاستاذ کا مسلسل پچاس سال سے مشغلہ قال اللہ اور قال الرسول تھا، سیکڑوں ہزاروں علمائے وقت آپ کے درس سے پیدا ہوئے، آپ ہر فن میں عبور رکھتے تھے یہی وجہ ہے آج مئو ہی نہیں سارے ہندوستان میں آپ کی خبر وفات سے ماتم بپا ہے، یہ انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جو مادر علمی مفتاح العلوم میں جمع ہو رہا ہے، آپ نے سیاسی راستے سے بھی قوم وملک کی برابر خدمت کی تھی، یہی وجہ ہے کہ مجمع میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندو کا بھی ایک انبوہ نظر آرہا ہے، مخالف وموافق سب آبدیدہ ہیں، سبھوں کی زبان پر ہے کہ مئو کی عظمت اور اس کی آبرو کفن میں لپٹی ہوئی ہے، امام گنج سے جنازہ کے ساتھ یہ انسانوں کا ہجوم ہے جو اشکبار پیچھے پیچھے چل رہا ہے، مجمع ہر آن بڑھتا جا رہا ہے، عام لوگوں کی آنکھوں سے آنسو کا سیلاب جاری ہے، اس مجمع میں عوام بھی ہیں اور خواص بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی، اور معصوم بچے بھی۔

یہ دیکھئے شہر مئو اور اپنے محبوب عالم دین کی آخری دیدار کے لئے لوگ کیسے بیقرار ہیں، دنیا سے جسم لطیف کی رخصت کا یہ آخری منظر قابل دید ہے، حد نظر تک آدمی ہی آدمی ہیں، یہ سارے لوگ صرف عقیدت ومحبت کا نذرانہ پیش کرنے نہیں آئے، بلکہ دعا ر مغفرت اور رفع درجات کی دل سے دعا کرنے حاضر ہوئے ہیں، یہ چالیس ہزار مسلمانوں کا مجمع بلا کسی اشتہار کے صف بستہ کھڑا ہے، تکبیروں کی آوازیں آرہی ہیں اللہ اکبر! کیا اس سے پہلے چشم مئو نے کسی جنازہ میں ایسی بھیڑ۔ اور اس قدر ہجوم دیکھا تھا۔ اور کیوں نہ ہجوم ہو، اب آنکھیں اس مرد مجاہد کو دیکھنے کو ترسیں گی۔ جو پچاس سال سے رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہا تھا، جو ہر آڑے وقت آگے آگے نظر آتا تھا، جس کا بھروسہ صرف ایک خدا پر تھا، جس نے دوست کے ساتھ دشمنوں کا بھی کام کیا، ان کی بھی مدد کی، اس مجمع میں ایک بڑی تعداد ان علماء دین کی بھی ہے جو براہ راست یا بواسطہ شاگردوں میں ہیں، ان لوگوں کی تعداد بھی کافی ہے، جو ہر جمعہ کو

بعد نماز جمعہ آپ کے درس قرآن میں شریک ہوتے تھے اور آپ کے سیاسی رفقار بھی ہیں -

اخلاص وللّٰہیت کا اثر دیکھئے جنازہ کہاں قبر میں اتارا جا رہا ہے، جہاں جوانی سے لے کر اب تک درس حدیث دے رہے تھے، جس جگہ سے قلبی انس تھا، ہم طلبہ سے تعلق خاطر دیکھئے، جدائی اور دوری پسند نہیں کی، ہمیں تسلی دے رہے ہیں کہ روپوش ہونے کے باوجود پاس ہی ہوں، گھبراؤ نہیں، تمہارا نظم ہوگا اور بہتر ہوگا، جس علمی درس گاہ کی ترقی میں آپ کا بھی خون و پسینہ شامل ہے یہ کیسے ممکن تھا کہ اس سے جدائی گوارا فرما لیتے -

لیجئے جنازہ قبر میں اتارا جا چکا، آدمی آدمی پر گرا جا رہا ہے کہ مٹی ڈالنے کا شرف حاصل ہو، علم و عمل کا آفتاب دیکھتے ہی دیکھتے غروب ہو گیا، ۸۰ سال کا تھکا ماندہ مسافر جس نے کبھی آرام کی نیت سے آرام نہیں کیا، آج آرام کی نیند سو رہا ہے اس طرح سو یا ہے کہ اب کبھی جاگنا نہیں ہے، کوئی کانوں میں کہہ رہا ہے کہ حضرت کو حکم دیا جا رہا ہے کہ نَم کَنَومَۃِ العَرُوسِ، خوش و خرم بے فکر سو جائیں -

---

(بقیہ ص۱۶۷ کا) (۳۸) محمد ظفیر الدین مفتاحی دار العلوم دیوبند (۳۹) ہنس راج گپتانی دہلی (۴۰) مولانا محمد ایوب اعظمی شیخ الحدیث ڈابھیل (۴۱) آفس اسٹاف جموں (۴۲) فراق گورکھپوری گورکھپور (۴۳) ضمیر احمد انصاری سیتاپور (۴۴) رام سنگھ کھنا لکھنؤ (۴۵) حافظ رفیق احمد میرٹھ (۴۶) رگھوناتھ سنگھ جموں (۴۷) ذوتھ شی جموں (۴۸) کیبوہڈ کلرک جموں (۴۹) اودیا پرشاد لکھنؤ (۵۰) سروانند جموں (۵۱) ایم. کے. ایچ جوری جموں (۵۲) نور محمد بخشی ادھم پور (۵۳) بی. ایل شری واستوا گورکھپور

کچھ "تاروں" میں بھیجنے والوں کے نام نہیں پڑھے جا سکے، ان تمام لوگوں کا شکریہ جنہوں نے خط یا تار کے ذریعہ اس موقع سے ہمدردی کا اظہار کیا -

کردار کا غازی

(از:۔ مولوی نیاز احمد متعلم مفتاح العلوم مئو)

”کبھی میں آپ لوگوں کو سخت جملے کہہ دیا کرتا ہوں، مگر کسی مصلحت اور ضرورت کی بنیاد پر کہتا ہوں، لہذا اس سے ناگوار اثر نہ لیا کریں، اگر میری باتوں سے تکلیف پہنچی ہو تو اسے معاف کر دیں“

یہ چند قیمتی جملے ہیں جو فخر ملت حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ نے اپنی زندگی کے بالکل آخری دن جامعہ مفتاح العلوم مئو میں اپنے ماتحت مدرسین کے ایک اجتماع میں فرمائے تھے، مگر کون جانتا تھا کہ شیر مئو کے یہ چند کلمات آخری ثابت ہوں گے اور یہ معافی اس کی تیاری ہے۔

ابھی انتقال سے ایک دن پہلے دارالعلوم مئو میں آپ نے مسلمانوں کو خطاب فرمایا اور انھیں جینے کا ڈھنگ بتایا اور احساس کمتری کو احساس برتری میں بدلنے کی تلقین فرمائی تھی، شاید یہ فرمانا چاہتے تھے، میں تو اب اس دنیا سے جیسے تیسے رخصت ہو رہا ہوں، تم آپس میں متحد ہو کر رہنا اور قوم کا شیرازہ بکھرنے نہ دینا۔

۶ رجنوری ۸۳ءکی رات کے ساڑھے دس بجے قوم میٹھی نیند سو رہی تھی اور استاذ العلماء فتح الباری شرح بخاری کے دیکھنے میں مستغرق تھے، جامعہ کے اکثر و بیشتر طلبہ بھی اپنے اپنے بستروں پر دراز ہو چکے تھے کہ دفعۃً ایک دردناک آواز نے بہت سے طلبہ کو بیدار کر دیا، دوڑ کر آئے تو دیکھا کہ مولانا نعمانی مضطرب اور بے چین ہیں، طلبہ نے خدمت کرنا چاہی، تو ان سے فرمایا۔

”دیکھو میں بہت گنہ گار ہوں، میرے لئے مغفرت کی دعا کرو، اس وقت یہی میری سب سے بڑی خدمت ہے، اور کل میری نماز جنازہ میں

شریک ہونا“

یہ جملے پورے کر کے خود استغفار میں مشغول ہو گئے، اللہ اللہ کی ہلکی ہلکی آواز فضا میں گونجنے لگی، اور کمرہ میں سبھوں پر ایک سکتہ طاری تھا، سب حیرت زدہ کھڑے تھے، بتدریج یہ آواز دھیمی ہوتی گئی اور کوئی دس پندرہ منٹ میں یہ آواز بند ہو گئی، چہرہ پر بشاشت تھی اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بے چینی کے بعد سکون مل گیا ہے۔ اور نند آگئی ہے، مگر یہاں روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی،

جس نے مفتاح العلوم کے ۵۴ سالہ تعلیمی و تدریسی دور میں اپنا کھانا خود اپنے ہاتھوں سے پکایا، اور تمام ضروریات زندگی خود فراہم کی، طلبہ اور قوم وملت کو عملاً درس دیا کہ اپنی مدد آپ کرو، اور اپنے آپ پر اعتماد کرو، وہ دنیا سے رخصت ہو چکا تھا،

آپ اپنے سارے مشاغل میں اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کو پیش نظر رکھتے تھے، علمی و دینی اور ملی و قومی کاموں میں مشغول و مصروف ہونے کے باوجود کبھی نہ نمازِ تہجد ناغہ ہوئی اور نہ تلاوت کلام پاک، الاماشاء اللہ، یہ دونوں کام نماز فجر سے پہلے ہو جاتے تھے جس کی اطلاع کسی کو کانوں کان نہیں ہوتی تھی، بعد نماز فجر معمولی ناشتہ اور چائے کے بعد درس بخاری کے لئے بیٹھ جاتے تھے، اور پھر مستقل ساڑھے دس بجے دن تک درس و تدریس میں منہمک رہتے۔

جہاں آپ میں گوناگوں خصوصیات تھیں، وہاں ایک نمایاں بات یہ تھی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مرعوب ہونا نہیں جانتے تھے، بلکہ دوسرے لوگ آپ کے پاس آکر آپ سے مرعوب ہوتے تھے۔

مئو میں اتنا زبردست اجتماع نماز جنازہ میں کبھی نہیں دیکھا گیا، حضرت کی تدفین مفتاح العلوم کے جنوبی مغربی احاطہ میں ہوئی، سب سے پہلے آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمٰن نعمانی، ایم، ایل، اے، نے مٹی ڈالی، پھر ایک مخلوق نے، جس میں علماء مشائخ، اساتذہ، رؤسا، غرباء، بوڑھے، جوان، بچے سبھی تھے تدفین کے بعد جن اکابر قوم وملت نے مزار پر حاضری دی، ان میں یہ چند (بقیہ ص ۱۳۸ پر)

حضرت مولانا نعمانیؒ بحیثیت ایک معلم اور سرپرست

(از :۔ مولوی صلاح الدین ندوی مئو)

ضلع اعظم گڈھ علم وادب کا گہوارہ ہے، بالخصوص مشرقی علوم وفنون کا ایک اہم مرکز شمار ہوتا ہے، اس نے بہت سی ہمہ گیر شخصیتوں کو جنم دیا ہے، جن پر ہندوستان فخر کرتا رہا ہے، انہی قابل فخر علماء میں حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی بھی ہیں، جو عصر حاضر کی ایک بلند پایہ وعالی مقام شخصیت گذری ہے، جسے اعظم گڈھ کبھی فراموش نہیں کرسکتا، کیونکہ مولانا نعمانی نے نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں، اور اپنے پیچھے ایسے نقوش چھوڑے ہیں جو آفتاب وماہتاب سے زیادہ روشن اور تابندہ ہیں، جسے آنے والی نسلیں اپنی منزل کے لئے نشانِ راہ سمجھیں گی، اور یہ واقعہ ہے کہ ایک روشن دماغ تھا نہ رہا۔ دعوت ہو یا سیاست، علمی مسئلہ ہو یا ملّی، ہر موڑ پر لوگوں نے انھیں لہراتے اور گرجتے دیکھا، مولانا نعمانی موجودہ اعظم گڈھ کی تاریخ کے ایک درخشاں باب تھے۔

مولانا نعمانی اور ان کے رفقاء کرام مختلف علوم وفنون میں مہارت حاصل کرنیکے بعد مولانا نعمانی مئو کے جس حلقۂ اربابِ علم ونظر میں شامل ہوگئے، اس میں محدّث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا ایوب صاحب مدظلہما اور میرے والدِ بزرگ مولانا شمس الدین صاحب مرحوم وغیرہ کی ذات گرامی قابل ذکر ہے، مولانا نعمانی کے یہ رفقاء کرام مختلف علوم وفنون میں اپنے اپنے میدان میں

کسی سے کم نہ تھے، نیز اپنے اپنے عزم واستقلال میں بھی یگانۂ روزگار تھے، ان حضرات نے جامعہ مفتاح العلوم کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اس کو فروغ دیا، کیونکہ ابتدا میں اس کی بنیاد غایت درجہ کمزور اور انتھک محنت ومدد کی طالب تھی، مگر اسے من جانب اللہ ایسے مضبوط ترین ستونوں کا وجود میسر آگیا، جنہوں نے اس کی بنیاد کو فولادی قوت عطا کی، یہ حضرات جن کے اسمائے گرامی اوپر ذکر ہوئے ایک عرصہ تک جامعہ مفتاح العلوم میں درس وتدریس اور انتظام کی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

جامعہ مفتاح العلوم اور اس کا ارتقاء جامعہ مفتاح العلوم ہندوستان کے شمالی ومشرقی حصہ میں علوم وفنون کی ایک اہم، بڑی اور مرکزی دینی درس گاہ ہے، یہاں ہر سال ملک کے گوشہ گوشہ سے بڑی تعداد میں لڑکے اپنی علمی پیاس بجھانے کی غرض سے آتے ہیں، اور فارغ التحصیل ہو کر جاتے ہیں، جامعہ ہذا کے چلانے اور اس کے نظم ونسق میں مختلف حضرات کا ہاتھ رہا ہے، جب جامعہ کی نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے اس وقت مولانا ابوالحسن صاحب مرحوم ناظم اور حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم صدر مدرس اور حضرت مولانا نعمانی مدرس دوم تھے، پھر حضرت مولانا ایوب صاحب ناظم اور میرے والد مولانا شمس الدین صاحب نائب ناظم ہوئے۔

البتہ دس سال ہوئے کہ حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مدظلہ العالی جامعہ سے کسی وجہ سے علیحدہ ہو گئے لیکن اس وقت جامعہ کی یہ پوزیشن نہیں تھی جو آج ہے، اس کے بعد دورِ نعمانی کا آغاز ہوا، اور مولانا نعمانی کو شیخ الحدیث اور صدر مدرس ہونے کے ساتھ اہتمام کا کام بھی سنبھالنا پڑا۔ موجودہ تمام ترقی اور نظم ونسق جو آج دیکھنے میں آتا ہے وہ مولانا نعمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی اور ان کے دوسرے احباب کی محنت ومشقت کا نتیجہ ہے۔

جامعہ مفتاح العلوم اپنی قسمت پر کیوں نہ نازاں ہو کہ اس کو ایسے جلیل القدر حضرات ملتے گئے، جنھوں نے اس کو ہر طرح سے آراستہ کیا اور جو کچھ اس کے اندر کمی نظر آئی اس کو پورا کیا۔

مولانا نعمانی ایک دیدہ ور منتظم تھے، انھوں نے چند درجات تک انگریزی کا کورس بڑھا دیا تھا۔ پھر اسے ہٹا دیا گیا، کچھ عرصہ تک بندۂ ناچیز مولانا نعمانی سے بہت قریب تھا اور مجھے بارہا ان سے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا ہے، ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ انگریزی کیوں نکالی گئی؟ فرمایا کہ بعض بزرگوں کے اس اقدام پر ناخوش ہونے کی وجہ سے مجبوراً ہٹانا پڑا۔

کتب خانۂ جامعہ کتب خانہ کی جدید عمارت بھی جامعہ کے تقاضے کا ثمرہ اور مولانا نعمانی اور حضرت مولانا اعظمی مدظلہ سرپرست جامعہ کے ذوق علم وفن کا نمونہ ہے۔ مجھے دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ، اور چند دیگر مدارس کے کتب خانے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ جامعہ کا کتب خانہ سب سے بہتر ہے، مگر اتنا ضرور ہے کہ کتب خانہ کے لئے جیسی عمارت درکار تھی اس کے لئے بہت ہی موزوں ومناسب ہے، اگرچہ اس میں کتابیں بہت زیادہ نہیں ہیں تاہم نادر نسخے بکثرت موجود ہیں، کتب خانہ کی یہ عمارت دورِ نعمانی کو ہمیشہ یاد دلاتی رہے گی۔

مولانا نعمانی کے علمی رجحانات ویسے تو میں نے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت حاصل کی ہے اور دارالعلوم دیوبند میں بھی ایک سال گذارا ہے، لیکن اصلاً میری مادرِ علمی جامعہ مفتاح العلوم مئو ہے، میں نے بالکل ابتدائی درجات سے لے کر درجۂ پنجم (عربی) تک اس میں تعلیم حاصل کی ہے اور میرے دورِ طالب علمی کے زرین لمحات ۱۲، ۱۳ سال اسی میں بسر ہوئے ہیں اور وہاں کے مختلف اساتذہ کرام سے مستفید ہونے کا موقع ملا ہے مگر میں جتنا استاذ محترم مولانا نعمانی سے متاثر ہوا کسی سے نہیں ہوا، یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ مولانا کا لگاؤ فقہ، حدیث، تفسیر، عقائد اور ادب سبھی علوم سے تھا مگر فن معقولات (منطق، فلسفہ) میں جتنی گہری بصیرت حاصل تھی یہ قلم

نارسا ذکر کرنے سے قاصر ہے۔

میرے والد بزرگ حضرت مولانا شمس الدین صاحب مرحوم استاذ محترم مولانا نعمانی کے کلاس فیلو اور قریبی دوستوں میں تھے، دونوں حضرات کے درمیان بڑی ہی بے تکلفی تھی، مولانا نعمانی کے سلسلہ میں یہ اکثر کہا کرتے تھے کہ ان کی فنوں میں بڑی دقیق نظر ہے۔

دین وسیاست کا امتزاج مئو ضلع اعظم گڈھ کی عوام کو کسی ایسے رہنما کی ضرورت تھی جو ان کے دکھ، درد کا مداوا بن سکے اور ان کی دینی، سیاسی اور اجتماعی اصلاح کر سکے چنانچہ یہ خداوند قدوس کا احسان وانعام ہے کہ ان کو مولانا نعمانی جیسا ہادی و رہنما مل گیا تھا، مولانا نعمانی کے اندر دیگر خصوصیات کے ساتھ ساتھ تحمل کا مادہ بہت زیادہ تھا، میدانِ سیاست میں ناسمجھ عوام کے کچھ افراد نے مولانا نعمانی کو بہت سخت وسست کلمات کہے، گالیاں تک دیں، دراصل وہ یہ سمجھتے تھے کہ دین و سیاست کا میدان الگ الگ ہے جس کو مولانا نعمانی نے ایک کر دکھایا ہے، مگر مولانا نعمانی کی یہ وسعتِ ظرفی تھی کہ اس کا کبھی خیال نہیں کیا...

واقعی عوام کا ان کے دل وجگر میں بڑا درد تھا، مولانا نعمانی نے جہاں ایک طرف اسلامی تعلیم اور معمول کے مطابق ہر جمعہ کو شاہی مسجد کٹرہ میں دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دیں اور خود پابندِ فرائض ونوافل رہے، اور حج بیت اللہ کیا وہاں دوسری طرف سیاسی مسائل کو سلجھانے میں بھی ڈٹے رہے، مشکلات سے کبھی گھبراتے نہیں تھے، ان کا یہ ایمان تھا کہ بھاگنے والوں کی خدا نے کبھی مدد نہیں کی ہے اور نہ کرے گا۔ اس وقت مئو کے جتنے بھی سربرآوردہ لیڈر ہیں سبھی ان کی سیاسی دانائی اور مستقل مزاجی کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت الاستاذؒ کی مثالی زندگی

(از:۔ مولوی احمد سجاد مفتاحی فاضل دیو بند)

وہ دن کس قدر غم انگیز تھا، جس کی شام کو یہ المناک خبر ملی کہ حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی نور اللہ مرقدہ نے ہم لوگوں سے منھ موڑ کر داعی اجل کو لبیک کہا!

سچ تو یہ ہے کہ دل اسے ماننے کو کبھی بھی تیار نہ تھا، کہ وہ سرچشمۂ علوم نبوت جس سے ہزاروں زندگی کی کھیتی سرسبز و شاداب ہوئی، اور جس سے ابھی ہزاروں انسان اپنی حیات کی کشت آرزو سیراب کرنے کی تمنا رکھتے تھے، دفعۃً سفر آخرت کے لئے تیار ہو گیا ہوگا، لیکن خود ان کے ایک شاگرد رشید کی خونِ جگر سے لکھی ہوئی تحریر تھی، جس میں غموں کا سمندر سمویا ہوا تھا، جب کبھی اس امر کا خیال آتا ہے کہ مولانا اس دنیا میں نہیں رہے، تو بے اختیار آنکھوں میں اشکوں کا سیلاب امڈا چلا آتا ہے، لیکن نظام عالم یہی ہے جس میں تبدیلی ممکن نہیں۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات غالباً ۲۰ر شوال ۱۳۸۹ھ کی صبح کو مفتاح العلوم مئو میں ہوئی تھی، جب میں اپنے والد محترم[1] کے ساتھ داخلہ کے لئے وہاں حاضر ہوا تھا، اس وقت مولانا رحمہ اللہ کی عظمت و رعب کا اندازہ ہوا، میں نے دیکھا کہ والد صاحب مدظلہ باادب دو زانو ہو کر مولانا علیہ الرحمۃ کے روبرو بیٹھے ہیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی مشفقانہ انداز میں اپنے شاگرد رشید سے مخاطب ہیں۔

حقیقت میں استاذ و شاگرد کے اہم رشتہ اور عقیدت و خلوص کا مجھے اسی وقت صحیح احساس ہوا، اور میں نے اساتذہ کے ساتھ ادب و احترام کا سبق سیکھا

[1] حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مدظلہ مفتاحی مرتب فتاوی دار العلوم دیو بند (س)

ناشتہ سے فراغت کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے میرا نام وغیرہ پوچھا اور اس کے بعد پڑھی ہوئی کتابوں کے نام دریافت کئے، پھر حضرت مولانا عبدالجبار صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں امتحان کے لئے بھیجدیا، انھوں نے شرح وقایہ کا باضابطہ امتحان لیا، اور اسی میں تمام فن کی باتیں پوچھ ڈالیں، بعد میں دو تین کتابیں پڑھوائیں، اور ہدایہ اولین کی جماعت میں میرا داخلہ کرلیا گیا، ان مشفق اساتذہ کرام کے زیر سایہ رہ کر دورہ حدیث تک تعلیم حاصل کی، بعد میں دارالعلوم دیوبند سے بھی یہ سعادت حصہ میں آئی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمہ اللہ کی ذات جن اوصاف کی حامل تھی اسے بیان کرنے کو ایک دفتر بھی ناکافی ہے۔ آپ بیک وقت محدث جلیل فقیہ عصر، شیخ المعقولات، عظیم مناظر، بلند مرتبہ مجاہد، شب بیدار بزرگ، نباض وقت اور قوم و ملت کے دوراندیش رہنما تھے، آپ میں وہ تمام خصوصیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں جو ایک انسانِ کامل اور مثالی شخصیت میں پائی جاسکتی ہے، آپ بے انتہا قابلیت اور صلاحیت کے مالک تھے، آپ کی ذہانت اور آپ کا حافظہ خداداد تھا۔

استاذ محترم ہم لوگوں سے جب اپنے زمانہ طالب علمی کی باتیں بیان فرماتے تو ایسا لگتا تھا کہ گذشتہ باتیں من وعن نقل کر رہے ہیں، اکثر لوگ مئو کے پرانے تاریخی واقعات معلوم کرنے آتے، تو اسے حضرت مولانا علیہ الرحمۃ ذہن پر تھوڑا زور دیکر اس طرح پورے اعتماد کے ساتھ بیان کرتے کہ گویا وہ منظر آپ کی آنکھوں کے سامنے موجود ہے، آپ کی زندگی کے دو بہت ہی نمایاں پہلو ہیں۔

علوم دینیہ کی خدمت علم دین کی خدمت آپ کی زندگی کا سب سے ممتاز پہلو ہے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پوری زندگی علم دین کے لئے وقف کردی تھی۔ چنانچہ ایک عرصہ تک جامعہ مفتاح العلوم جیسے عظیم الشان ادارہ کے مدرس رہے پھر صدر مدرس ہوئے اور شیخ الحدیث بھی، اور زندگی کے آخری لمحہ تک اسی حیثیت سے حدیث نبوی کا درس دیتے رہے، آپ کا انداز تدریس بالکل

ممتاز تھا، آپ علم حدیث میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور اس فن کے دشوار ترین مسائل کو بھی اس طرح سہل تر انداز میں پیش کرتے تھے کہ فوراً ذہن نشین ہو جاتے تھے، آپ کے پڑھانے میں ایک خاص جذبۂ صادق اور اخلاص ہوا کرتا تھا۔ دوران سبق افک یا اس جیسی دوسری حدیثوں پر پہنچتے تو انتہائی ضبط کے باوجود آنکھیں پرنم اور آواز بھاری ہو جایا کرتی تھی، اختلاف مذاہب بڑے دلچسپ انداز میں بیان فرماتے۔ اور ہر امام کے دلائل مفصل پیش کرتے، آپ کو حدیث، فقہ، معانی، منطق اور فلسفہ پر پوری دسترس حاصل تھی، غالباً علم طب سے بھی مناسبت رکھتے تھے۔

مفتاح العلوم کی تعمیر و ترقی سے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو بڑی دلچسپی تھی، آپ نے شہر کی مسلم طالبات کو اسکول کالج سے ہٹا کر علوم دینیہ کی تحصیل پر لگایا، اور ان کے لئے مفتاح العلوم کی طرف سے مدرسۃ البنات کھلوائے۔

حضرت الاستاذ مولانا رحمہ اللہ اور آپ کے احباب کی دینی جدوجہد، علمی خدمات اور عملی کاوشوں کا ثمرہ ہے کہ مفتاح العلوم کے فرزندوں کی ایک خاصی تعداد ملک اور بیرون ملک میں، عظیم مصنفوں، بلند پایہ خطیبوں اور جلیل القدر اساتذہ کی شکل میں دینی اور علمی خدمات انجام دے رہی ہے۔

طلباء کے حق میں آپ کی شفقت کسی بھی مشفق باپ سے کم نہیں تھی۔ مجھے وہ دن اچھی طرح یاد ہیں، جب کہ ایک طرف مئو میں غالباً ایک ہفتہ کے لئے کرفیو نافذ تھا اور اسی حالت میں وہاں کے مسلمانوں پر پولیس والوں کے بے انتہا مظالم ہو رہے تھے اور شہر کے تمام مسلمان راتیں آنکھوں میں کاٹا کرتے تھے، اور دوسری طرف مخالفانہ نعروں سے فضا گونجتی رہتی تھی، اور آگ کے شعلے بھڑکتے نظر آتے تھے، اور ہم لوگ مدرسہ کی سہ منزلہ عمارت پر سے آسمان چھونے والی اس خوفناک آگ کو دیکھ کر کبھی کبھی خوفزدہ ہو جاتے تھے۔ لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی بے تکلفانہ اور مشفقانہ باتوں سے ہم لوگوں کے خوف و ہراس کو آن کی آن میں دور فرما دیتے اور

آنے والی زندگی کے نشیب و فراز کے متعلق بہت ہی مخلصانہ نصیحتیں فرماتے اور ہر موڑ پر حوصلہ بلند رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔

ان ایام میں کرفیو نافذ ہونے کی وجہ سے کوئی باورچی مدرسہ کے احاطہ میں نہیں پہنچ پاتا تھا۔ کھانا ہم طلباء ہی مل جل کر پکایا کرتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی مطبخ میں تشریف لاتے اور پکانے میں ہم لوگوں کا ہاتھ بٹاتے تھے، انھیں کوئی کام کرنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی، اپنا کل کام وہ ہمیشہ خود ہی کیا کرتے تھے، میں اور مولوی نورالحسن دونوں صبح کی چائے مستقل طور پر مولانا کے ساتھ پیتے تھے، اس وقت بھی حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ ہم لوگوں کو نصیحت آمیز تاریخی واقعات سناتے اور متفرق مسائل اور ان کے نکات سمجھاتے، فرمایا کرتے تھے کہ۔

"ایک عالم دین کو بااثر بننے اور تبلیغی کام کے لئے جن اسباب و ذرائع کی ضرورت پڑ سکتی ہے انھیں پورے طور پر فراہم کرنے کی کوشش کرو"۔

موجودہ دور کی اصلاح کے لئے جدید علوم سے واقف ہونے اور نئی تہذیب کے نقائص اور اس کے برے انجام پر نظر رکھنے کی بھی تاکید کرتے تھے، اسی کے ساتھ معاشی حالت کو درست کرنے کی بات بھی کرتے تھے۔ مولانا ہی کے مشورے سے ہم لوگوں نے بہار مدرسہ اکزامیشن بورڈ کے امتحانات دیئے، اور علوم جدیدہ کی تحصیل میں حصہ لیا، خدا ہمیں مولانا کی امیدوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور خدمت دین کی دولت سے نوازے۔ آمین۔

مئو کی خدمت آپ مسلمانوں کے عظیم رہنما تھے، آپ اپنے شہر کے مسلمانوں کو محنتی جفاکش، بلند اخلاق، تعلیم سے آراستہ اور دیندار دیکھنا چاہتے تھے، آپ ہمیشہ بعد نماز جمعہ جامع شاہی کٹرہ میں عام مسلمانوں سے خطاب فرماتے تھے۔ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلمانوں کو ان کے فرائض سے آگاہ کرتے، مستقبل کو روشن وتابناک بنانے، اور نئے نئے مشکلات ومصائب کے مقابلہ کا طریقہ بتاتے تھے۔

آپ اخیر وقت میں بھی مئو شہر کے چیرمین رہے اور اس راستے سے بھی اپنے شہر

والوں کو سچائی، امانت، دینداری اور بلند اخلاقی کا درس دیتے رہے، شہر کا اس طرح نظم کیا کہ ہر محلہ کی گلی گلی میں پختہ سڑک بنوائی، پانی اور بجلی کا بہتر سے بہتر نظم کیا، مئو کے بڑے بڑے مسلم اور غیر مسلم لیڈرس مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مشورہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، تعمیر و ترقی سے متعلق شہر میں جو بھی میٹنگ ہوتی، اس میں حضرت الاستاذ کو بہت ہی اہتمام سے بلایا جاتا، مولانا رحمہ اللہ اپنے گراں قدر مشورے سے لوگوں کو نوازتے اور خود اچھی تحریک پر لوگوں کو آمادہ کرتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ آج مئو عام شہروں کے مقابلہ میں ایک ترقی پذیر اور تعلیم یافتہ شہر ہے، تہذیب و تمدن اور معاش و روزگار کے لحاظ سے بہت ہی غنیمت ہے، جہاں کے لوگ ایک مثالی شہری (ideal citizens) حق پرست، دیندار اور ایک خاص وضع کے ہیں، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بہت ہی با اثر تھی بڑے سے بڑے سینیر افسر، وکیل، تھانے دار، بڑے سے بڑا ایم ایل اے۔ ایم پی اور شہر کے نمایاں سے نمایاں لوگ آپ کے سامنے باادب بیٹھتے تھے، مگر قربان جایئے اس عظیم شخصیت پر جو اپنے سارے فضائل و کمالات کے باوجود بالکل سادہ زندگی بسر کرتی تھی۔

وضع قطع عالمانہ اور رفتار مجاہدانہ تھی، اپنے معمولات کے نہایت پابند تھے، صبح اور سہ پہر کا وقت تدریس کے لئے خاص تھا، دس بجے کے بعد میونسپلٹی جاکر جانچ پڑتال اور ہدایات جاری کرتے، عصر سے مغرب تک شہر میں ہوتے، جہاں اخبارات دیکھتے اور لوگوں سے مختلف مسائل پر تبادلۂ خیالات فرماتے، مغرب سے عشاء تک بخاری شریف جلد ثانی کا درس دیتے اور عشاء بعد ایک ڈیڑھ گھنٹہ کتب بینی کے فوراً بعد سو جاتے اخیر رات میں بیدار ہو جاتے اور صلوٰۃ لیل (تہجد) اور تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد فجر تک مطالعہ حدیث میں غرق رہتے، اپنے علم کے مطابق کبھی میں نے حضرت علیہ الرحمۃ کے معمولات میں ذرا بھی فرق نہیں دیکھا۔ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی ایک نمونہ ہے، کاش اس سے علمائے حال سبق سیکھتے، اللھم اغفر لہ وارحمہ ونور قبرہ

قوم وملت کا مخلص خادم

(از: مولانا نور عالم امینی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

میں نے مئو کی چار سالہ زندگی میں حضرت مولانا نعمانی کو بہت قریب سے دیکھا ہے، اور ان کی خدمات کا مشاہدہ بھی کیا ہے، حق گوئی، بیباکی، اور جرأت مردانہ، مولانا کے خصوصی اوصاف تھے، اس مرتبہ کا عالمِ دین میں نے اپنی زندگی میں کسی کو نہیں پایا۔ مجھے اس وقت کا منظر اچھی طرح یاد ہے، جب گوپال کھنڈیوال کو کسی نے چھرے سے زخمی کر دیا تھا، کھنڈیوال صاحب تو بنارس ہسپتال میں بھرتی ہو گئے، ادھر مئو کے اکثریتی طبقہ نے قاضی ٹولہ کے میدان میں جمع ہو کر اشتعال انگیز تقریروں کا پروگرام بنا لیا جس میں اقلیتی طبقہ کے کسی فرد کو دعوت نہیں دی اور نہ ان کے کسی لیڈر کو بلایا اس جلسہ میں متعصب لیڈروں نے گرم گرم تقریریں کیں، ایک مقرر نے تقریر کرتے ہوئے جہاں بہت ساری باتیں کہیں، وہیں یہ بھی کہا۔

"اگر اس حادثہ کے متعلق یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس کا کارنامہ ہے، تو اس کا وبال مسلمانوں کے سر آ کر رہے گا"

اس جملہ نے اس سہمی اور ڈراؤنی فضا میں پٹرول کا کام کیا، میں اس جلسہ میں موجود تھا، مگر کسی ہندو یا مسلمان کو جرأت نہیں ہوئی کہ اس دھاندلی کا جواب دیتا کہ اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جس کی پیشانی کشادہ تھی، کھادی کا کرتا پہنے اور ایک معمولی تہبند باندھے، سر پر کانگریسی ٹوپی اوڑھے اور ہاتھ میں ایک چھڑی لئے ہوئے مجمع سے اٹھا، اور اس نے مجمع اور منتظمین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا۔

"اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ عرض کروں"

اسٹیج سے آواز آئی، ضرور ضرور، سفید ریش بزرگ نے اسٹیج پر پہنچ کر ایک مختصر تمہید اور اظہار افسوس کے بعد فرمایا۔

''ابھی ایک صاحب نے جو یہ بات کہی ہے کہ اگر اس چھرے چلانے والے کی خبر نہیں دی گئی، جس کی گولی سے کھنڈیوال صاحب زخمی ہوئے ہیں، تو اس کا وبال مسلمانوں کے سر آئے گا، ان کا یہ انداز بیان نہایت غلط ہے، ایک ہوشمند کی زبان سے یہ جملے انتہائی نادانی کا ثبوت ہے، اور نتیجہ کے اعتبار سے خطرناک بھی، اب میں کہتا ہوں کہ اگر اس کا پتہ نہ لگ سکا تو اس کا وبال جتنا مسلمانوں کے سر آئے گا، اتنا ہی ہندوؤں کے سر بھی ہوگا''

نہیں کہہ سکتا کہ یہ کہنے والے کی زبان کا اثر تھا یا ان کی جرأت کا کہ پورا مجمع پکار اٹھا ''بالکل ٹھیک بالکل ٹھیک'' بعد میں معلوم ہوا کہ یہی سفید ریش بزرگ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی تھے، جو مفتاح العلوم کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث ہیں۔

محرم ۱۹۶۹ء کے موقع پر جب پولیس اور پی، اے، سی نے مئو کے مسلمانوں پر کرفیو نافذ کر کے مظالم کے پہاڑ توڑ رکھے تھے، اس موقع سے رات کے بارہ بجے کے بعد یہی سفید ریش بزرگ تھے، جن کو دیکھا گیا کہ تن تنہا ہاتھ میں چھڑی لئے مئو کے سنسان سڑکوں پر گشت کر رہے ہیں، اور پی، اے، سی کے مظالم پر چیں بجبیں ہیں، اور ان کے ذمہ داروں کو کبھی یہاں ڈانٹ رہے اور کبھی وہاں، کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

مولانا مرحوم کی یہی خوبیاں تھیں کہ مئو کی انتظامیہ اپنے بدترین حالات میں بارہا آپ سے مدد طلب کرنے پر مجبور ہوئی اور آپ نے آگے بڑھ کر مدد کی۔

مولانا علمی حیثیت سے مئو بلکہ ہندوستان کے ان گنے چنے عالموں میں تھے، جن پر بجا طور پر علمی دنیا کو ناز تھا، اس وقت جامعہ مفتاح العلوم کے سب کچھ

آپ ہی تھے، صدر مدرس بھی اور مہتمم بھی،

مولانا بخاری شریف کے درس میں اس قدر واضح اور مدلل تقریر فرماتے تھے کہ شاید ہی کوئی غبی سے غبی طالب علم ہو جس کو کوئی اشکال باقی رہ جاتا ہو، مولانا ایک جامع کمالات شخصیت تھے، اسی کے ساتھ زمانہ اور اس کے تقاضے پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، اس لئے درس کو آج کے حالات اور ماحول سے ہم آہنگ کرکے دیکھا یا کرتے تھے، اور اس کا ثمرہ یہ ہوتا تھا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین پختہ سے پختہ تر ہو جاتا تھا۔

مولانا نعمانی ایک بہت اچھے مقرر بھی تھے، سیاسی تقریروں کے علاوہ ہر مہینے تین چار دینی تقریریں بھی ضرور ہوا کرتی تھیں، اور ایسی تقریروں میں کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ مولانا نعمانی کا تنہا نام آیا ہو، بلکہ پہلے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ کا نام ہوتا پھر آپ کا، یہ لازم، ملزوم کے درجہ میں تھا، اور یہ صرف تقریر ہی کے موقع پر نہیں، بلکہ مئو کے تمام ہی لوگ جانتے ہیں کہ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانیؒ حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی مدظلہ کے دوست کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور زندگی بھر دونوں ایک دوسرے سے اس طرح منسلک رہے کہ ہر ایک دوسرے کا بہی خواہ، مخلص اور حقیقی رفیق رہا، طبیعت اور مزاج کا ایسا اتحاد دو مولویوں میں بہت کم دیکھا گیا۔

مولانا نعمانیؒ کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ کبھی غمگین نہیں دیکھے گئے ہر وقت چہرے پر مسرت کی لکیریں ابھری ہوئی نظر آتی تھیں، ان سب کمالات کے باوجود مولانا کی سادگی اور بے تکلفی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ بلاشبہ وہ جتنے بڑے تھے اسی اعتبار سے بے تکلف، سادہ دل، سادہ مزاج اور مرنجاں مرنج بھی تھے، اپنے چھوٹوں سے بھی اسی بے تکلفی سے باتیں کرتے تھے جیسے ہم عمروں سے۔

حق یہ ہے کہ مولانا کی وضعداری بھی دیکھنے کے لائق تھی اور سادگی بھی، اللہ اپنی رحمتوں سے نوازے بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔

مادر علمی جامعہ مفتاح العلوم

(از :- مولانا ممتاز احمد مفتاحی ممبر مجلس شوریٰ مفتاح العلوم)

۱۲۹۶ھ میں مولانا امام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عہد مغلیہ کی یادگار جامع مسجد کٹرہ کے وسیع اور پر سکون صحن میں اولاً مدرسہ مفتاح العلوم کی داغ بیل ڈالی تھی جو جہاں آرا بنت شاہجہاں کی بنائی ہوئی ہے، مولانا مرحوم سے جن علماء نے اس دور میں استفادہ کیا، ان میں مولانا سلطان احمد، مولانا بشیر اللہ، مولانا عبد المجید امام جامع مسجد شاہی و ناظم اول دار العلوم مئو، مولانا الٰہی بخش، مولانا عبد الغفار، مولانا ابو البرکات اور مولانا ابو الحسن وغیرہ کا بطور خصوصی نام لیا جا سکتا ہے۔

نشاۃ ثانیہ: ۱۳۴۷ھ میں محدث العصر، عالم ربانی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت برکاتہم کے دور میں حدیث سے اس کی نشاۃ ثانیہ ہوئی، مدرسہ کی یہ بڑی خوش بختی ہے کہ اس کی نشاۃ ثانیہ دورہ حدیث نبوی سے ہوئی، اس پہلے سال جن آٹھ خوش نصیبوں نے دورہ حدیث پڑھا، ان کے نام یہ ہیں (۱) مولوی محمد امام گنج (۲) مولوی بشیر اللہ مئو (۳) مولوی محمد سلیمان مئو (۴) مولوی عبد الحی مئو (۵) مولوی محمد مئو (۶) مولوی عبد اللطیف مئو (۷) مولوی عبد الحمید کوپاگنج (۸) مولوی محمد مئو (گویا اس پہلے سال تین محمد نامی طلبہ دورہ حدیث میں شریک ہوئے)۔

حضرت مولانا اعظمی مدظلہ: جن بزرگوں کی محنت اور جد و جہد سے مفتاح العلوم نے شہرت اور ترقی و عروج کی منزلیں طے کیں، ان میں سر فہرست موسس ثانی محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی مدظلہ کی علمی و عملی شخصیت ہے، جو آج علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کے ایک متبحر استاذ اور اسماء الرجال کے بلند پایہ محقق کی حیثیت سے عجم و عرب میں

جانے پہچانے جاتے ہیں، اور بہت ساری علمی کتابوں کے مصنف ہیں، ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۷۱ھ تک صدر مدرس اور شیخ الحدیث کے فرائض آپ نے بنفس نفیس انجام دیئے، بلکہ ۱۳۶۶ھ سے ۱۳۷۱ھ تک نظامت کا عہدہ بھی سنبھالا، اور اس زمانہ میں آپ نے تعمیرات پر خصوصی توجہ دی، پھر حدیث نبوی کی تصنیفی خدمت میں انہماک کی وجہ سے آپ نے تدریس کا سلسلہ بند کر دیا، صرف سرپرست کی حیثیت سے مدرسہ کی دیکھ بھال کرتے رہے، مگر ۳۰ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ کو جب مولانا النعمانیؒ کا انتقال ہو گیا تو پھر مفتاح العلوم کا سارا بوجھ بحیثیت سرپرست آپ پر آپڑا، چنانچہ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ سے صدر مدرس و شیخ الحدیث اور اہتمام کے سارے فرائض آپ خود انجام دے رہے ہیں، متعنا اللہ بطول بقائہ

اب تک آپ کی مندرجہ ذیل تصانیف و تالیفات منصۂ شہود پر آچکی ہیں، (۱) نصرۃ الحدیث (۲) الاعلام المرفوعہ (۳) الازہار المربوعہ (۴) اہل دل کی دلآویز باتیں (۵) ارشاد الثقلین (۶) شارع حقیقی (۷) التنقید السدید (۸) تحقیق اہلحدیث (۹) احکام النذر لاولیاء اللہ (۱۰) ابطال عزاداری (۱۱) اعیان الحجاج (۱۲) رکعات تراویح (۱۳) رہبر حجاج (۱۴) مسند حمیدی مع تحقیق و تعلیق (۲ جلدوں میں) (۱۵) سنن سعید بن منصور مع تحقیق و تعلیق (۲ جلد) (۱۶) کتاب الزہد والرقائق مع تحقیق و تعلیق (۱۷) مُصنَّف عبد الرزاق مع تحقیق و تعلیق (گیارہ ضخیم جلدوں میں (۱۸) المطالب العالیہ مع تحقیق و تعلیق (۴ جلدوں میں)، (۱۹) مختصر کتاب الترغیب والترہیب لابن حجر، ان کے علاوہ آپ کی بہت سی تصانیف ابھی غیر مطبوعہ بھی ہیں۔

حضرت مولانا نعمانیؒ دوسری اہم شخصیت جس کی جد و جہد سے مفتاح العلوم کو عروج حاصل ہوا، عالم جلیل حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین اور ناظم جامعہ مفتاح العلوم، کی ذات ستودہ صفات تھی، ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۷۱ھ تک آپ نائب الصدر کی حیثیت سے رہے اور مدرسہ کے لئے دست و بازو بنے رہے اور جب حضرت مولانا اعظمی مدظلہ اپنی تصنیفی خدمت کی وجہ سے یکسو ہو گئے تو مسند صدارت پر حضرت مولانا نعمانیؒ آپ کی جگہ آگئے اور زندگی کے آخر لمحہ تک شیخ الحدیث اور صدر مدرس کے فرائض انجام دیتے رہے، بلکہ ۱۳۷۹ھ سے آپ پر نظامت کا

بار بھی آگیا تھا، جسے آپ نے آخر تک نباہا، اِدھر دس بارہ سال سے آپ کا رہنا سہنا مدرسہ ہی میں ہوتا تھا، درس تدریس کا سلسلہ درمیان میں صرف چار پانچ سال آپ نے اس وقت بند رکھا، جب آپ یوپی اسمبلی کے رکن منتخب ہوگئے تھے، اس کے علاوہ پوری زندگی درس تدریس میں گذری، شب یکم ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ کو آپ نے دفعۃً دنیا کو الوداع کہا اور مولیٰ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد ایوب صاحب مدظلہ | تیسری شخصیت مولانا محمد ایوب اعظمی مدظلہ شیخ الحدیث مدرسہ ڈابھیل کی ہے، جس سے ابتداء میں مفتاح العلوم کو ترقی میں کافی مدد ملی، آپ ۱۳۴۸ھ سے ۱۳۶۵ھ تک مسلسل مفتاح العلوم کے ناظم رہے، اور کارِ نظامت کے انہماک کی وجہ سے درس وتدریس میں کوئی حصہ نہیں لے سکے، ۱۳۶۶ھ سے آپ نے مفتاح العلوم میں درس تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور نظامت کے عہدہ سے سبکدوش ہوگئے، ۱۳۷۱ھ میں جب مولانا اعظمی مدظلہ کی جگہ حضرت مولانا نعمانیؒ آئے، تو آپ مولانا نعمانیؒ کے نائب قرار پائے، چنانچہ جب مولانا نعمانیؒ ۱۳۷۷ھ میں ایم، ایل، اے ہوگئے، تو ان کی جگہ چار پانچ سال آپ نے شیخ الحدیث اور صدر مدرس کا فریضہ انجام دیا، ۱۳۸۱ھ میں مولانا نعمانیؒ جب اپنی جگہ واپس آگئے تو آپ بحیثیت شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ تشریف لے گئے، اور ایک سال کے بعد آپ کو مدرسہ ڈابھیل نے شیخ الحدیث کی حیثیت سے اپنے یہاں بلا لیا، چنانچہ تا حال وہیں تشریف فرما ہیں، اور شیخ الحدیث کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا شمس الدین صاحبؒ | چوتھے بزرگ جنہوں نے مفتاح العلوم کے سلسلہ میں ان بزرگوں کا ہاتھ بٹایا، حضرت مولانا شمس الدین صاحب رحمہ اللہ تھے، جو عرصہ دراز تک نیابت نظامت کے عہدہ پر فائز رہے اور اس کے ساتھ درس وتدریس کی خدمت بھی انجام دیتے رہے بلکہ یہ سلسلہ اخیر عمر تک قائم رہا، ابھی سال ڈیڑھ سال ہوئے کہ آپ نے رحلت فرمائی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

دیگر اساتذہ اور اراکین | ان حضرات کے علاوہ دوسرے اساتذہ کرام، اور اراکین شوریٰ

کا بھی مفتاح العلوم کی ترقی میں حصہ رہا ہے، بالخصوص مئو کے عوام وخواص لائق تبریک وتہنیت ہیں، جنہوں نے ہر سخت موقع پر ارباب مدرسہ کا ساتھ دیا اور مدرسہ کی دل کھول کر امداد کی۔

معیار تعلیم مفتاح العلوم میں ابتدائی درجات اردو وفارسی سے لے کر عربی کی انتہائی کتابوں دورۂ حدیث تک کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے، دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کے بعد درس نظامی کی تعلیم میں جامعہ مفتاح العلوم مئو غالباً سب سے بڑی دینی درسگاہ ہے، یہاں منشی، کامل، ماہر (فارسی) مولوی، عالم اور فاضل وغیرہ (عربی) کے امتحانات الہ آباد بورڈ سے دینے دلانے کی سہولت بھی حاصل ہے، تجوید اور حفظ قرآن کا بھی معقول نظم ہے، نشاۃ ثانیہ کے بعد سے برابر ہر سال دورۂ حدیث کی تعلیم ہو رہی ہے، اور ہر سال حفاظ وقراء کی ایک خاص تعداد بھی فارغ ہو کر نکلتی رہی ہے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت مفتاح العلوم نے تعلیم کے ساتھ ہر زمانہ میں تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ یہاں سے جو طلبہ فارغ ہوتے ہیں ان کے حوصلے بلند، خیالات پاکیزہ اور عملی زندگی سنجیدہ اور پروقار ہوتی ہے، مایوسی اور احساس کمتری ان کے پاس نہیں پھٹکتی، چنانچہ ادھر دس بارہ سال سے طلبہ کی نگرانی خود حضرت مولانا نعمانیؒ فرماتے تھے،

مدرسہ کا دائرہ کار اس وقت مدرسہ مفتاح العلوم کی قصبہ مئو کے مختلف محلوں میں چھ شاخیں ہیں، چار لڑکوں کے لئے اور دو لڑکیوں کے لئے، مدرسہ اور اس کی مقامی شاخوں میں اس وقت مجموعی طور پر (۴۷)، مدرسین (۶) استانیاں، (۱۳) ملازمین اور دو سفراء کام انجام دے رہے ہیں، طلبہ کی مجموعی تعداد کم وبیش سترہ سو ہے، مفتاح العلوم کے سارے اخراجات عام مسلمانوں کے چندے سے پورے ہوتے ہیں، سالانہ بجٹ لگ بھگ دو لاکھ روپے ہے، بیرونی طلبہ کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے، ان کے طعام وقیام، علاج اور دوسری ضروریات کی کفالت مدرسہ ہی کرتا ہے، ان میں بنگال، آسام، بہار اور یوپی کے طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس دینی درسگاہ کو قائم ودائم رکھے اور اس کا فیض تا قیامت جاری رہے،

مئو میں مفتاح العلوم ادھر پچاس سال سے آنے جانے والے علماء ومشائخ کا

مرکز رہا ہے، جمعیۃ علماء سے متعلق حضرات اور دوسرے ارباب فضل و کمال جب مئو تشریف لائے تو عمومی طور پران کا قیام اسی مدرسہ میں رہا، ان آنے والوں میں امام اہل سنت والجماعت حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ دارالمبلغین لکھنؤ، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ جالندھری، مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سیوہاروی، حضرت مولانا سید حمید الدین صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ، حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد، حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدظلہ اڈیٹر الفرقان لکھنؤ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ معتمد و ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور دوسرے سیکڑوں علماء یہاں آئے اور مفتاح العلوم نے اپنی بساط بھران کی میزبانی کا شرف حاصل کیا۔

اس وقت مفتاح العلوم کے سنیر اور پرانے اساتذہ کرام میں حضرت مولانا اعظمی دامت برکاتہم کے بعد حضرت مولانا عبدالرشید صاحب مدظلہ حسینی حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی مدظلہ، اور مولانا مفتی عبدالباری صاحب قاسمی مدظلہ قابل ذکر ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کا سایہ تادیر قائم رکھیں۔

خراجِ عقیدت

(از: مرتّب تذکرہ)

حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر ملک کے سیکڑوں حضرات نے تعزیتی خطوط اور تار روانہ کر کے مولانا کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور مولانا کے متعلقین کی تعزیت کی ہے۔ ان میں مختلف اداروں، جماعتوں تنظیموں اور مختلف مسلک اور خیال کے لوگ شامل ہیں علماء، دانشور، شاعر، ادیب قانون داں اور سیاسی و ملّی رہنما سبھی ہیں۔ یہاں تمام خطوط و تار کی نقل طوالت سے خالی نہیں، اسلئے ان حضرات کے نام اور پتے درج کیے جاتے ہیں البتہ بعض خطوط کے اہم حصّے بطور اقتباس پیش کیے جا رہے ہیں۔ جن حضرات کے نام نہیں آسکے یا ان کے خطوط نہیں پہنچے یا کاغذات میں کھو گئے بہر حال یہ تمام حضرات شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک عالم ربانی اور مجاہد ملت کو یاد رکھا اور خراجِ عقیدت پیش کرنے میں سبقت کی۔

(۱) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، ایڈیٹر الفرقان لکھنؤ نے لکھا:

"اللہ تعالےٰ نے حضرت مولانا کو جو جامعیت دی تھی، اپنے تعلقات کی اس وسعت کے باوجود جس میں شاید ہی کوئی میرا شریک و سہیم ہو، میں نے اس کی مثال نہیں دیکھی، گذشتہ سال دیوبند کی مجلس شوریٰ میں جب وہاں حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کی جگہ صدر مدرس کے انتخاب کا مسئلہ در پیش تھا، حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا بھی ذکر آیا تھا، اور اس صراحت کے ساتھ کہ ہم لوگوں کے علم میں ہندوستان میں ان جیسا کوئی صاحب درس عالم دوسرا نہیں ہے۔ ہمارے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ

تو معذرت فرما ہی چکے تھے لیکن مولانا کی مقامی ذمہ داریوں اور دلچسپیوں کا چونکہ ہم لوگوں کو علم تھا، اس لئے یہ سمجھ لیا گیا کہ مولانا عبداللطیف نعمانیؒ یہاں تشریف لانے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہو سکتے۔"

(۲) مولانا ضمیر احمد جلال پوری ضلع فیض آباد نے لکھا

"طبقہ علماء میں مولانا عبداللطیف نعمانیؒ مرحوم ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ہمارے لئے ملکی وملی رہنمائی میں ایک روشن مینارہ تھے۔۔۔۔۔ اب ایسی شخصیت کہاں جو دین و دیانت، علم و عمل اور سیاسی بصیرت کے جامع ہو۔"

(۳) مولانا سعید الرحمٰن استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے لکھا۔

"وہ ایک مدبر سیاست داں، ایک عالم باعمل، ایک منتظم اور متحرک پُرجوش مجاہد مرد مومن تھے۔۔۔۔۔ مستقبل کا مورخ جب ان کی تاریخ لکھے گا تو ان کی زندگی کا سب سے بڑا وصف دین و دنیا کا صحیح امتزاج، علم و تواضع کا صحیح توازن، غمخواری و ہمدردی اور زندگی کے میدان میں بلا خوف و خطر گھس کر ہر خطرہ کا مقابلہ کرنا یہ سب اوصاف وہ کبھی فراموش اور نظر انداز نہیں کرے گا۔"

(۴) مولانا مجیب اللہ ندوی مہتمم جامعۃ الرشاد اعظم گڈھ نے لکھا۔

"ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ انہوں نے سیاسی زندگی کی ہنگامہ آرائی اور اس کی سطحیت کے ساتھ علمی زندگی کی خاموشی اور گوشہ گیری کو نبایا۔"

(۵) محترم ڈاکٹر نورالحسن انصاری تہران (ایران) نے لکھا

"انھوں نے اپنے گھر اور مئو والوں کو بنانے اور سنوارنے میں جو زحمت اٹھائی اور خونِ جگر کھایا، وہ مئو کی تاریخ میں سب سے اہم باب ہے۔"

(۶) مولانا ضیاء الحسن مکہ مکرمہ (سعودی عرب) نے لکھا

"اس کا شدید احساس ہے کہ اہلِ مئو کو ایک زبردست نقصان

پہونچا ہے، کئی جہتوں سے مئو میں خلا پیدا ہوگیا۔"

(۷) محترم عابد علی انصاری ڈپٹی منسٹر اتر پردیش لکھنؤ نے لکھا

"مولانا مرحوم کے انتقال سے ہم میں سے ایک عظیم عالم وسیاستداں اُٹھ گیا۔"

(۸) حضرت مولانا محمد ایوب اعظمی شیخ الحدیث ڈابھیل نے لکھا

"مولانا کی اچانک خبرِ انتقال سے بے حد رنج وملال ہوا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔"

(۹) محمد ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند نے لکھا

"یہاں دیوبند میں جاننے والوں میں صف ماتم بچھ گئی، ہر شخص سراپا غم اور سوگوار ہے، ہم لوگوں کا ایک بڑا سایۂ عاطفت جاتا رہا، آپ حضرات مئو میں حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی زندۂ تابندہ علمی یادگار قائم کریں، لائبریری ہو یا کوئی علمی ریسرچ ادارہ، مئو کے در و دیوار ان کی خدمات کے شاہد ہیں۔"

(۱۰) غلام مصطفےٰ ربانی سکریٹری انجمن تنفیق الاسلام فرخ آباد نے لکھا۔

"اخوت اسلامی وانسانی کے آپ مرقع تھے، مجھ پر کرم بے پایاں فرمایا کرتے تھے۔"

(۱۱) جناب اصطفےٰ حسین لکھنوی نے لکھا۔

"مجھے سب سے زیادہ افسوس یہ ہے کہ میں ان کی کوئی خدمت نہ کرسکا۔"

(۱۲) جناب مولانا مقتدیٰ احسن مرکزی دار العلوم بنارس نے لکھا

"مولانا کی ذاتِ گرامی مئو کے لئے خصوصاً اور پورے ہندوستان کے لئے بالعموم ایک زبردست سہارا تھی۔"

(۱۳) مولانا محمد منظور حسین قاسمی نائب مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد نے لکھا

"حضرت مولانا مرحوم کی ذات یادگار سلف تھی، بے شمار خوبیوں

اور خصوصیات کی حامل تھی، ایسے حضرات اب کہاں پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرمائے۔"

(۱۴) مولانا قاری فیاض احمد جامعہ عربیہ مخزن العلوم غازی پور نے لکھا

"حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا مرحوم مشرقی اضلاع دیوپی، کے میر کارواں تھے۔"

(۱۵) مولانا محمد حیات صاحب مدظلہ، شیخ الحدیث حیات العلوم مرادآباد نے لکھا

"مولانا کی وفات سے جو نقصان ظہور میں آیا ہے وہ ناقابل تلافی معلوم ہوتا ہے۔"

(۱۶) مولانا اسیرادروی دفتر جمعیۃ العلماء اترپردیش لکھنؤ نے لکھا

"استاذ محترم کی شخصیت اپنی خصوصیات میں منفرد تھی و یگانہ روزگار تھے ۔۔۔ علم و فضل زہد و ورع اور تدبر و فراست میں بے مثال تھے۔"

(۱۷) مولانا محمد رفیع الدین مفتاحی (گیا) نے لکھا۔

"مرے شفیق استاذ اپنے وقت کے مایہ ناز عالم، مدبر اور عظیم سیاستداں تھے۔"

ان حضرات کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات کی طرف سے بھی تعزیتی خطوط موصول ہوئے

(۱۸) سکریٹری صاحب ادارہ مفتاح ادب مئو۔ (۱۹) اساتذہ ملت نرسری اسکول مئو (۲۰) استاذ مدرسہ چشمہ فیض ادری (اعظم گڈھ) (۲۱) مولانا محمد صدیق صدر مدرسہ ضیاء العلوم بلیا (۲۲) عماد الاسلام جونیر ہائی اسکول سیتاپور (۲۳) مولانا ابوالحسن ندوی ناظم جمعیۃ العلماء ضلع چمپارن۔ (۲۴) قاری ظہور الحق ریاض العلوم ساٹھی، چمپارن (۲۵) مفتی محمد رشید الدین مقیم علی گڈھ (۲۶) مرتضیٰ احسین مفتاحی جامعہ عربیہ صادقیہ مہراج گنج گورکھپور (۲۷) محمد انصاری ضلع مومن کانفرنس کانپور (۲۸) حضور احمد انصاری

شمشاد
ضلع مومن کانفرنس بریلی (۲۹) احمد نبی انصاری مومن کانفرنس الہ آباد (۳۰)
احمد ایڈوکیٹ ہائی کورٹ الہ آباد (۳۱) ایڈیٹر صاحب سیاست جدید کانپور
(۳۲) محمد نورالدین انصاری کلکتہ (۳۳) سعید الاعظمی قائم مقام مہتمم دارالعلوم
ندوۃ العلماء لکھنؤ (۳۴) مولانا شمس الدین مدرسہ عربیہ جامع العلوم جین پور اعظم گڈھ
(۳۵) مولوی محمد حبیب دربھنگہ (۳۶) حبیب المرسلین مئو پاورلوم ایسوایشن مئو۔
(۳۷) قمرالدین وارانسی (۳۸) ہیڈ ماسٹر انصار نیشنل اسکول رائے بریلی (۳۹) اعزاز
احمد انصاری مومن کانفرنس لکھنؤ (۴۰) محمود الحق انصاری ہائی سکنڈری اسکول
شیرکوٹ بہار (۴۱) ضیاء اللہ امارت شرعیہ بہار واڑلیسہ پھلواری شریف
پٹنہ (۴۲) محمد احمد مدرسہ عربیہ انوار القرآن نعمت پور (سہارنپور) (۴۳)
محمد ادریس مظفرپوری مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن بمبئی (۴۴) عبدالحمید انصاری
ضلع مومن کانفرنس فتحپور (یوپی) (۴۵) مولانا قمر مفتاحی مدرسہ احیاء العلوم
بھاگلپور (۴۶) مولانا احمد اللہ مہتمم مدرسہ اسلامیہ ربنپور (بردوان) (۴۷)
مولانا محمد عثمان جامعۃ الصالحات مالیگاؤں (۴۸) مولانا عبدالغفار ناظم
مدرسہ کنزالعلوم ٹانڈہ ضلع فیض آباد (۴۹) محمد سعید انصاری لکھنؤ (۵۰)
اکبر علی پرنسپل مسلم انٹر کالج مئو (۵۱) مولانا محمد اظہر مفتاحی مدرسہ مفتاح العلوم
بلیا (۵۲) محمد امین انصاری ضلع کانگریس کمیٹی الہ آباد (۵۳) کمال، کمال
مشرق امروہہ (۵۴) عبدالمجید انصاری سٹی مومن کانفرنس الہ آباد۔
(۵۵) مولانا محمد عبدالسلام دارالمبلغین لکھنؤ (۵۶) عبدالسبحان اعظمی جامعہ
دارالسلام عمرآباد (مدراس) (۵۷) مولانا محمد سلامت اللہ مدرسہ نورالعلوم
بہرائچ (۵۸) مولانا عبدالرؤف مدرسہ اشاعت العلوم بریلی (۵۹) ایم نعیم الہی
سکریٹری انجمن فروغ اردو بجنور (۶۰) حفیظ الرحمن امین معتمد دفتر دارالعلوم مئو
(۶۱) شمس الحق اعظمی جامعہ ادب مئو (۶۲) مولانا عبدالحی مفتاحی، زین الحق
مفتاحی، نذیر احمد مفتاحی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد (اعظم گڈھ) (۶۳) مہتمم

دارالعلوم فاروقیہ کاکوری لکھنؤ (۶۴) شری چندر بھان گپتا سابق وزیر اعلیٰ اترپردیش لکھنؤ (۶۵) گنگا ساگر دوبے اترپردیش لکھنؤ (۶۶) طفیل احمد انصاری شاہ گنج (جونپور) (۶۷) مئو کبرانا کمیٹی مئو ناتھ بھنجن (۶۸) ہریجن سماج ادھیکاری اعظم گڈھ (۶۹) انڈسٹریل کوآپریٹو سوسائٹی (۷۰) سربادے ڈگری کالج گھوسی (اعظم گڈھ) (۷۱) نگرپر کارسمیتی مئو (۷۲) ڈی، اے، وی انٹر کالج مئو ناتھ بھنجن (۷۳) گرا گتی نویودک سنگھ مئو ناتھ بھنجن (۷۴) راجکیہ بنائی ودھالیہ مئو ناتھ بھنجن (۷۵) ہینڈلوم کوآپریٹو سوسائٹی باد دلاپور (سیتاپور) (۷۶) مئو نگر پالیکا مئو ناتھ بھنجن (۷۷) ڈی، سی ایس کھنڈیوال ڈگری کالج مئو ناتھ بھنجن (۷۸) آدرش یووک پریشد مئو ناتھ بھنجن (۷۹) جیون رام انٹر کالج مئو (۸۰) ڈاکٹر کنہیا لال صدر نگر پالیکا اعظم گڈھ (۸۱) آریہ سماج مئو۔ (۸۲) رام کنور نامہ نگار اخبار دیول اعظم گڈھ (۸۳) گنگا پرشاد دوبے ہینڈلوم اترپردیش (۸۴) سندر پانڈے مہامنتری کانگرس کمیٹی اعظم گڈھ (۸۵) ضلع مومن کانفرنس اٹاوہ (۸۶) لائٹ سینٹر قاضی پور بہرائچ (۸۷) عبدالحمید اعظمی اعظم گڈھ (۸۸) مولانا محمد ہاشم فرنگی محل لکھنؤ (۸۹) ناظم اصلاح المسلمین مئو (۹۰) نائب مہتمم مفتاح العلوم مئو (۹۱) طلبہ الہ آباد یونیورسٹی۔

تعزیتی تار

حضرت مولانا عبداللطیف نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر بہت سے حضرات نے ملک کے مختلف گوشوں سے تار روانہ کئے، یہاں چند تار کا خلاصہ اور بقیہ تار دینے والے حضرات کے نام لکھے جارہے ہیں۔

(۱) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا تار آیا "مولانا کے انتقال پُرملال سے بے حد صدمہ ہوا۔ ایصال ثواب کا بندوبست کردیا گیا ہے۔"

(۲) مولانا اسحاق علمی اور خان غفران آبادی ایڈیٹر ریاست کانپور کا تار موصول ہوا
" آپ کے مشہور و معروف پدر بزرگوار مولانا عبداللطیف کے انتقال پر گہرا صدمہ ہوا۔"

(۳) محترم جناب چندر جیت یادو جنرل سکریٹری آل انڈیا کانگریس کمیٹی نئی دہلی کا تار ملا
" آپ کے والد مرحوم مولانا نعمانی کی اچانک وفات کی خبر سے مجھے گہرا صدمہ ہوا، ہمارے ضلع نے ایک محبوب رہنما کو کھو دیا۔"

(۴) شری کملاپتی ترپاٹھی وزیر اعلیٰ اتر پردیش بنارس نے تار بھیجا
" آپ کے والد کے انتقال کی خبر پاکر بڑا دکھ ہوا، مولانا صاحب کے چلے جانے سے اعظم گڈھ ضلع کی ایک بڑی ہستی چلی گئی، دکھ میں ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، خدا آپ کو اس غم کے برداشت کی قوت عطا کریں۔"

اسی مضمون کے تار ان حضرات کی طرف سے بھی موصول ہوئے۔

(۵) دھرم دت وید وزیر یوپی (۶) لطیف احمد جموں کشمیر (۷) نادین بخشی جموں کشمیر (۸) یعقوب صاحب جموں کشمیر (۹) رفیق احمد انصاری سیتاپور (۱۰) عابد علی انصاری نائب وزیر ٹرانسپورٹ اتر پردیش (۱۱) مکھن لال جموں (۱۲) ڈپٹی سپرنڈنٹ آف پولیس جموں۔ (۱۳) عبدالقیوم انصاری پٹنہ (۱۴) محمود علی لکھنؤ (۱۵) ماتا پرشاد جونپور (۱۶) بلونت سنگھ ایچ، ایس (۱۷) محمد مصطفےٰ جموں (۱۸) برج موہن منوچ بر کاش جموں (۱۹) غلام نبی بھدروا (۲۰) اختر بھدروا (۲۱) محمود ادھم پور (۲۲) ستیش چندر جموں (۲۳) کرانکو جموں (۲۴) انوپ سنگھ ڈپٹی سپرنڈنٹ آف پولیس ادھم پور (۲۵) مدن موہن وزیر جموں (۲۶) سبدر رد ترا جموں (۲۷) جواہر لال گپتا جموں (۲۸) چھبیدی لال گپتا گونڈہ (۲۹) جوگندر سنگھ پرو ہرٹ جموں (۳۰) سلطان محمد خاں جموں (۳۱) نجاشی جموں (۳۲) غلام راہی جموں (۳۳) فضل الرحمٰن کانپور (۳۴) محمد یسین جموں (۳۵) بنواری لال ٹنڈن دہلی (۳۶) دانجو جموں (۳۷) عمرالدین گونی جموں (بقیہ صـ۱۷۱ پر)

مولانا نعمانی
اخبارات و رسائل کی نظر میں

(از: محمد ظفیر الدین مفتاحی)

حضرت الاستاذ مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال پر ملک کے مختلف اخبارات و رسائل نے اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کیا اور مولانا مرحوم کے کارناموں پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا، تمام اخبارات کی تفصیل یہاں نہیں دی جا سکتی ہے، صرف چند رسائل و اخبارات کے مختصر اقتباسات پر اس وقت اکتفا کیا جاتا ہے۔ تاکہ اندازہ ہو کہ مولانا کی اہلِ فکر میں کیا حیثیت تھی۔

برہان دہلی ملک کے علمی و دینی ماہنامہ برہان دہلی نے لکھا۔

"مولانا عبداللطیف نعمانی ایک مشہور اور صاحبِ درس و تدریس بزرگ تھے، ایک مدت سے مئو ضلع اعظم گڈھ کے مدرسہ مفتاح العلوم میں شیخ الحدیث کے عہدہ پر فائز تھے، اگرچہ سیاست کا میدان ان کے تگ و تاز سے محروم نہیں رہا، لیکن ان کا عمر بھر مشغلہ درس و تدریس تھا، علوم دینیہ کے علاوہ منطق اور فلسفہ میں بھی ان کو بڑا کمال تھا، سیکڑوں طلبا ان کے فیضِ تعلیم سے مستفیض ہوئے۔"

(نظرات برہان فروری ۱۹۷۳ء)

الجمعیۃ دہلی روزنامہ اخبار الجمعیۃ دہلی نے لکھا۔

"مولانا عبداللطیف نعمانی کا انتقال کیا ہوا یوپی کی پوری فضا ایک بہترین قیادت سے محروم ہو گئی مرحوم کی شخصیت اتنی بلند تھی کہ ہر قلم اس کی جھلکی دکھانے سے قاصر ہے، آپ نہ صرف ایک عالمِ دین کی حیثیت سے متعارف تھے بلکہ ایک سماجی خادم کی حیثیت سے بھی محترم سمجھے جاتے

تھے، وہ آخر دم تک انسانی قدروں کے حامل رہے، ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے سے قریب تر سمجھا..... عوام کے دلوں میں ان کی محبت تھی، خواص میں وہ محبوب ترین قرار پائے، مرحوم جامعہ مفتاح العلوم کے شیخ الحدیث، ضلع جمعیۃ اعظم گڈھ کے صدر ہندوستان کی جنگِ آزادی کے سورما، جید عالم، اعلیٰ محقق، مشہور دانشور اور بلند پایہ مذہبی رہنما اور سماجی تنظیموں کے روح رواں تھے، ملت کو ان کی جدائی سے بڑا خسارا ہوا ہے، وہ دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلتے رہے اور آخر وقت تک اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو فائدہ پہونچایا..... آپ کے فضائل و مناقب میں دفتر لکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں صرف ان کی جدائی پر رنج والم کا اظہار ہے، اللہ تعالیٰ ان کی روح کو سکون بخشے اور خدا کی رحمتیں ان کے شاملِ حال ہوں اور پس ماندگان اور متوسلین کے غمزدہ دلوں پر صبرِ جمیل القا فرمائے۔“

(خصوصی اداریہ الجمعیۃ دہلی ۲۲ جنوری ۱۹۷۳ء)

رسالہ دار العلوم دیوبند رسالہ دار العلوم دیوبند نے لکھا۔

”مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانیؒ ان علمار حق میں تھے جن کی ذات پر بجا طور پر خود علمار امت کو ناز تھا، سادہ دل شگفتہ مزاج، تکلف و تصنع سے بہت دور، پرانی وضع کے پابند، پچاس پچپن سال سے درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، اور ایسے جید الاستعداد اور حاضر الذہن کہ فراغت کے فوراً بعد ہی دورۂ حدیث شریف اور مختلف فنون کی اونچی کتابیں پڑھانے لگے تھے، اور اب تک مسلسل ہر سال پڑھاتے رہے، معقولات و منقولات دونوں پر پوری دسترس تھی، ہر فن کی اونچی کتابیں پڑھاتے اور خوب پڑھاتے تھے۔...... ہر کام میں اخلاص و للہیت، ملک و ملت کی بہی خواہی اور طلبہ و علمار کے لئے جاں نثاری مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی اوصاف تھے، کوئی ساعت بیکار نہیں رہتے، اپنا خیال ہے کہ تین چار گھنٹے صرف سونے کے تو

فارغ تھے، ورنہ ایک ایک لمحہ کاموں سے گھرا ہوا تھا۔ ..... ذکاوت و ذہانت کی خداداد دولت بھرپور حاصل تھی۔ ...... سبھوں کا کام کرتے اور سبھوں کو سہارا دیتے، جس کی جو بات ہوتی اس کے منھ پر کہتے، نڈر اور بیباک انسان تھے۔ ...... پیر نہیں تھے مگر تہجد و تلاوت کے پابند صاف باطن اور روشن دل، کبھی کسی کو بُرا نہیں کہا، پیٹھ پیچھے کسی پر تنقید نہیں کی، علماء و صلحاء سے گہری عقیدت رکھتے تھے، اپنے سے بڑی عمر والوں کی باتوں کا جواب نہیں دیتے مگر اپنے ناقدین کا ہمیشہ عملی جواب دیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ ہندو مسلم، چھوٹے بڑے سب آپ کی عزت و احترام کرتے تھے، محبت و خلوص کا برتاؤ رکھتے تھے، ہزاروں علماء کے استاذ اور استاذ الاساتذہ تھے، مگر مولویانہ کبر و غرور کہیں سے چھو نہیں گیا تھا، وہی فروتنی، منکسر المزاجی اور تواضع تھی جو ایک عالم ربانی کی شان ہوتی ہے، طلبہ سے بیحد محبت کرتے اور سعی کرتے کہ یہ کسی لائق ہو جائیں۔"

(دیکھئے حرف آغاز رسالہ دار العلوم دیوبند۔ مارچ ۱۹۷۳ء)

رسالہ الفرقان لکھنؤ ہندوستان کا مشہور رسالہ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ذی قعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ نے لکھا۔

"مئو کے اپنے اساتذہ خاصکر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ، اور مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی اور متعدد رفقاء درس سے محبت و مؤدت کا جو گہرا قلبی تعلق تھا اس کی وجہ سے میرا وہاں سے خاص رابطہ رہا اور اس میں برابر اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ...... مئو میں میری طالب علمی کا آخری سال تھا جب مولانا عبداللطیف صاحب کا وہاں کے دار العلوم میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا اس سے ایک سال پہلے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا تقرر ہو چکا تھا، ——— کچھ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ کے تکوینی فیصلوں کے نتیجہ میں ایسے واقعات پیش آئے کہ ان دونوں

حضرات نے دار العلوم مئو سے یکسو ہوکر مئو ہی میں اپنے عزائم اور منصوبوں کے مطابق ایک دوسرا مدرسہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور مفتاح العلوم کے نام سے وہ مدرسہ قائم ہوگیا، اور یہ دونوں حضرات اسی سے وابستہ ہوگئے۔ ان کے علمی و تعلیمی امتیاز کی وجہ سے پھر یہ مفتاح العلوم ہی اس دیار کا سب سے بڑا دینی اور تعلیمی مرکز بن گیا ـــــــ اب سے چند سال پہلے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے تو اپنے خاص تصنیفی و تالیفی مشاغل اور ضعفِ پیری کی وجہ سے تدریسی شغل سے یکسوئی اختیار کرلی۔ لیکن مولانا عبد اللطیف صاحب اس کو برابر سنبھالے رہے ـــــــ ادھر چند برسوں سے مدرسہ کی انتظامی ذمہ داری بھی انہی پر عائد ہوگئی تھی۔ وہ مدرسہ کے مہتمم بھی تھے اور عملاً صدر مدرس و شیخ الحدیث بھی، حدیث کی سب سے اہم کتاب بخاری شریف اور درسِ نظامی کی ایک دو اور اہم کتابیں بھی وہی پڑھاتے تھے اور پڑھانے کا حق ادا کرتے تھے اور اس کے ساتھ مدرسہ کا سارا انتظام بھی دیکھتے تھے، اس کی مالیات کی فکر کرتے تھے۔......... اللہ تعالیٰ نے بڑی صلاحیت، بڑی جامعیت اور بڑی قوتِ عمل دی تھی اس لحاظ سے ان کی شخصیت خاص کر علماء کے طبقہ میں بالکل نرالی اور بے مثال تھی۔"

سیاست کانپور اخبار سیاست کانپور نے لکھا

"حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانی کی وفات ملک و ملت کے لئے صحیح معنوں میں حسرت آیات ثابت ہوئی۔ مرحوم نے ایک عرصہ دراز تک اپنی سیاسی تدبیر، دانشمندی اور مذہبی علم و بصیرت سے کام لے کر قوم کی جو خدمت انجام دی، اس نے ان کو عوام و خواص کے ایک بڑے حلقہ میں مقبول و محبوب بنا دیا تھا...... ان کے احباب، مخلصین، تلامذہ اور رفقاء میں سے کون ہے جس کا دل نہ تڑپا ہو، جن کی پلکیں نہ بھیگی ہوں اور جس کی زبان اظہارِ غم پر مجبور

نہ ہوئی ہو، قدر ناشناسی اور قحط الرجال کے اس دور میں ایسی ہستیاں مشکل سے نظر آئیں گی، غالباً ایسی ہی شخصیتوں کے لئے کہا گیا ہے ؎

کچھ ایسے بھی اُٹھ جائیں گے اس بزم سے جن کو
ہم ڈھونڈنے نکلیں گے مگر پا نہ سکیں گے"

(دیکھئے سیاست کانپور ۲۴ جنوری ۱۹۷۳ء)

مومن بدایوں | ماہنامہ "مومن" بدایوں نے لکھا

"جامعہ مفتاح العلوم مئو کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللطیف نعمانیؒ ایک نہایت ہی ممتاز اور بابصیرت عالم دین تھے اور عمل و علم کے بہترین نمونہ تھے، تفسیر و حدیث کے ساتھ مرحوم منطق و فلسفہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے، اور مفتاح العلوم میں تدریسی فرائض انجام دینے کے ساتھ مرحوم مئو میونسپلبورڈ کی چیرمینی اور دوسری سیاسی ذمہ داریوں کو بھی بوجہ احسن سنبھالے ہوئے تھے نہایت ہی نیک دل اور عبادت گذار بزرگ تھے۔"

(دیکھئے رسالہ مومن بدایوں)

ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی | ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی نے لکھا

"مولانا عبداللطیف نعمانی..... کی زندگی کا سب سے زیادہ سبق آموز پہلو یہ تھا کہ آپ نے آل انڈیا مقاصد اور عالمی نشانوں کے پیچھے دوڑنے میں وقت ضائع نہیں کیا، بلکہ حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے مقامی میدان کو اپنا دائرۂ عمل بنایا۔ آپ کا وطن مئو (اعظم گڈھ) تھا، آپ نے اپنی کوششیں اس قصبہ میں مرکوز کردیں۔ مئو میں جن مقامی اداروں کی صدارت اور نظامت آپ کے ذمہ تھی ان سے مسلسل وابستہ رہ کران کے مسائل کو سمجھا اوران کے انتظام کو بہترین طور پر درست کیا، اپنی حقیقی خدمات سے قصبہ کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے دل میں اتنی جگہ پیدا کی کہ لوگوں نے تین بار آپ کو میونسپلٹی کا چیرمین بنایا، حتیٰ کہ آخر وقت تک آپ اس عہدہ پر فائز

فائز رہے، چیرمینی کو آپ نے استحصال کا ذریعہ نہیں سمجھا اور نہ بطور اعزاز استعمال کیا۔ بحیثیت چیرمین آپ نے دیانتدارانہ خدمات کا زبردست ریکارڈ قائم کیا، ایک مقروض میونسپلٹی کو بغیر ٹیکس لگائے اس حد تک مالدار کیا کہ پورے قصبہ میں سمنٹ کی سڑکیں، پختہ گلیاں، صاف ستھری نالیاں اور دوسری سماجی تعمیرات کھڑی ہوگئیں۔ مئو کا ہر شخص جانتا ہے کہ آپ نے اپنے پیچھے شاندار تعمیری کاموں کی ایک عظیم یادگار چھوڑی ہے اور یہ نمونہ بھی، کہ زندگی کا وہ کونسا نہج ہے جس سے آدمی ہر فرقہ اور ہر قوم کے درمیان محبوب بن کر رہ سکتا ہے،..... حقیقت یہ ہے کہ اشتہاری باتوں کے بجائے مولانا نعمانی مرحوم کی طرح حقیقی کاموں کا مزاج پیدا ہو جائے تو صرف چند سال میں ہماری قسمت بدل جائے۔" (صفت روزہ الجمعیۃ ۲ فروری ۱۹۷۳ء ص ۵)

رسالہ حسن اخلاق دہلی | رسالہ حسن اخلاق دہلی بابت ماہ مئی ۱۹۷۳ء نے لکھا:۔
"مولانا عبداللطیف صاحب کی ذات گرامی اہل ہند کے لئے اجنبی نہیں ہے، آپ مئو اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے آپ متبحر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر سیاست بھی تھے۔"

الرائد لکھنؤ | ہفت روزہ "الرائد" ندوۃ العلماء لکھنؤ نے لکھا (صرف ترجمہ درج ذیل ہے)
"حضرت مولانا نعمانیؒ عالم باعمل کیلئے ایک نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے تمام دینی و ملی کاموں میں سرگرمی سے شریک رہے، مولانا اپنے فرائض کی ادائیگی میں بے چاق و چوبند تھے، انکی زندگی کے کسی حصہ میں سستی و کاہلی کا نام و نشان نہیں تھا، اپنے بے پناہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے علوم دینیہ کی خدمت بھی کرتے تھے اور سیاسی معاملات میں حصہ بھی لیتے تھے، گویا وہ دین و سیاست دونوں کے جامع تھے اور اپنی بے لوث علمی سیاسی خدمات کی وجہ سے تمام علمی و سیاسی حلقوں میں متعارف اور بیحد مقبول تھے۔ مولانا مرحوم کے اٹھ جانے سے ان دونوں حلقوں میں بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔" (۱۶ فروری ۱۹۷۳ء)

پیڈیم نئی دہلی | پیڈیم نئی دہلی نے لکھا ——— "مرحوم متبحر عالم اور نڈر قومی کارکن تھے آپ کانگریس اور جمعیۃ العلماء کے ممتاز رکن ..... اور مدرسہ مفتاح العلوم مئو کے صدرالمدرسین تھے، مرحوم کی اچانک موت سے قصبہ مئو اپنے آزمودہ کار قائد سے محروم ہو گیا۔"

مقامی علماء اور لیڈروں کا اظہارِ غم

(از مرتب)

تعزیتی خطوط کے سلسلہ میں بہت سارے مدارس کے ذمہ داروں کے نام آچکے ہیں، انھوں نے خطوط لکھ کر جہاں تعزیت کی سنت ادا کی ہے، وہیں انھوں نے اپنے خطوط میں اس کی بھی اطلاع دی ہے کہ ہمارے مدارس میں ایصالِ ثواب کیا گیا، جس میں طلباء، مدرسین، کارکنان اور منتظمین مدرسہ نے حصہ لیا اور حضرت مولانا نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی گئی، ان میں دارالعلوم دیوبند، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ شاہی مرادآباد، مدرسہ حیات العلوم مرادآباد اور بہار کے متعدد مدارس کے علاوہ اضلاع مشرقی یوپی کے تقریباً تمام مدارس مولانا کے غم میں بند ہوئے اور ایصالِ ثواب کیا گیا۔

جس رات میں حضرت مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانیؒ کی وفات ہوئی اس دن مئو کے مقامی سارے مدارس اسلامیہ میں ایصالِ ثواب کیا گیا اور مولانا کے غم میں مدارس بند کر دیئے گئے اور ان کے تمام مدرسین، ملازمین، کارکنان اور طلباء نے نمازِ جنازہ اور تدفین میں شرکت کی، دوسرے دن مئو کے تمام کارخانے اور تمام دکانیں بند رہیں، اسی کے ساتھ مقامی تعلیمی ادارے بھی بند رہے، جیسے مفتاح العلوم دارالعلوم، فیض عام، مدرسہ عالیہ، تعلیم الدین، دارالحدیث وغیرہ۔ بعد نمازِ مغرب قاضی ٹولہ کے میدان میں ایک تعزیتی اجتماع منعقد ہوا، جس میں عوام و خواص اور کل پارٹیوں کے رہنماؤں نے شرکت کی، اور اپنے رنج و غم کا اظہار کیا اور مولانا نعمانیؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا، رام گوپال کھنڈیوال نے کہا ”مولانا کی ذات پختہ مزاجی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی، ان کی پوری زندگی قوم کے لئے وقف تھی، رام اوتار پانڈے

(کانگریس)، نے کہا مولانا کے قومی ملکی جذبات کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے، مولانا صفات اللہ قاسمی نے کہا ہمیں مولانا سے عقیدت ہے تو ہمیں ان کے کردار میں بھی ڈھلنا ہوگا، کمیونسٹ لیڈر مولانا عبد الباقی نے کہا مولانا ایک روشن خیال عالم دین تھے انھوں نے دینی اور دنیاوی دونوں سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا، وہ ایک مرد آہن تھے، طلبہ کے لیڈر شری ہردے نرائن نے کہا ملک و قوم سے مولانا کی دوستی گہری تھی، تنظیمی کانگرس کے لیڈر سیام سندر مصرا نے کہا مولانا ایک ایماندار اور مخلص رہنما تھے، ہمیں ان سے سبق لینا چاہیے، جن سنگھ کے لیڈر للّو بابو نے کہا مولانا نے امن وامان اور معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں جو کچھ کیا اسے بھلایا نہیں جاسکتا، ایس ایس پی کے لیڈر شری جامنت رائے نے کہا مولانا نے قوم کی ایسی خدمت کی ہے جسکی کوئی مثال نہیں ملتی، جن سنگھ کے ارجن سنگھ، کانگرس کے تاراکشور سنگھ اور وائس چیرمین مولانا حبیب اللہ وغیرہ نے بھی مولانا کو خراج عقیدت پیش کیا اور آپ کی خدمات کو سراہا۔ کشمیر اسمبلی کے اسپیکر جناب عبد الغنی گونی نے کہا کہ مولانا کے کردار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں حب الوطنی کے جذبات ایسے ہی تھے جیسے ہم کشمیریوں میں، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمن نعمانی نے مولانا کے متعلق کچھ کہنا چاہا تو آواز بھرّا گئی، پھر کہا میں کیا کہوں میں بے سہارا ہو گیا مگر اسی کے ساتھ عوام کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا مولانا موصوف ہمارے ہی باپ نہ تھے بلکہ آپ سب کے باپ تھے خدا انھیں اپنی بے انتہا رحمتوں سے نوازے۔ بھارتیہ کرانتی دل کی مقامی شاخ نے بھی نذر عقیدت پیش کی۔

جامع مسجد شاہی کٹرہ کے اندر مسلمانان مئو کے عام اجتماع میں ہندو پاک کے سب سے بڑے محدث و فقیہ اور مفتاح العلوم کے سرپرست حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی دامت برکاتہم نے غم میں ڈوبی ہوئی آواز میں ایک تقریر کی جس میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین اور مولانا نعمانی کی خدمات کو سراہا، انہی دنوں اصلاح اللسان مفتاح العلوم کے جلسہ میں آپ نے فرمایا "وہ بڑے ہی حوصلہ مند اور بیباک کارکن تھے، اپنی زندگی میں مرحوم نے قصداً کبھی کسی کو نقصان نہیں پہنچایا ..... مذہبی، تعلیمی اور سیاسی معاملوں میں ان جیسا مخلص اور جفاکش آدمی میں نے نہیں دیکھا، افسوس میرا سب سے پرانا دوست مجھ سے جدا ہو گیا..... مدرسہ مفتاح العلوم مولانا نعمانی کی اچانک وفات سے اس وقت یتیم ہو گیا ہے"

(از مختلف اخبارات)

اشکہائے غم

جناب نیرؔ اعظمی

اندھیری رات کو اب جگمگانے کون آئیگا
فسردہ انجمن میں مسکرانے کون آئے گا

جسے سُن سن کے جھوم اٹھتے رہے محراب و منبر بھی
وہ سازِ دین پر نغمہ سنانے کون آئیگا

بحسرت آج طلبہ سوچتے ہونگے کہ آج اُن کو
حدیث و فلسفہ، منطق پڑھانے کون آئیگا

نسیم صبح سوجائے اگر خود صحن گلشن میں
چمن کے نونہالوں کو جگانے کون آئے گا

حقیقت کے شناور تو بہت ہونگے زمانے میں
معانی کے گہر دریا بہانے کون آئے گا

بتا شیر مئو تیری طرح سینہ سپر ہو کر
مئو والوں کی اب بگڑی بنانے کون آئیگا

لحد میں سو گئے تم مات کھا کر موت سے لیکن
سیاست کے یہاں اب گر سکھانے کون آئیگا

تمہاری قبر تو بھر جائیگی انوارِ رحمت سے
ہماری انجمن کو جگمگانے کون آئے گا

حوادث اور طوفان بلا کے تیز دھاروں سے
سفینہ قوم کا نیرؔ بچانے کون آئے گا

غمِ فرقت

جناب ساجدؔ مفتاحی۔ ایف، ڈی

اے دلنواز دل ہے پریشاں ترے بغیر
ہوش و خرد ہے چاک گریباں ترے بغیر

جب تو ہی مرے ساقیٔ میخانہ چل بسا
سونی پڑی ہے محفلِ رنداں ترے بغیر

مایوس ہو چکی ہے تمنائے زندگی
اجڑا ہوا ہے دل کا گلستاں ترے بغیر

چھائی ہوئی ہے بزم میں ہر سمت بے بسی
بے نورِ زندگی ہے شبستاں ترے بغیر

غنچے اداس ہیں نرگس ہے اشک ریز
بے کیف و رنگ جوش بہاراں ترے بغیر

ہر بزم سونی سونی ہے میخوار ہیں اداس
خمخانۂ حیات ہے ویراں ترے بغیر

اک ساجدِ حزیں ہی نہیں اے امیرِ قوم
سارا جہاں ہے اشک بداماں ترے بغیر

جوئے خون

از فضل الرحمٰن مبتلا غازیپوری

یہ درد کی ارزانی، غم کی یہ فراوانی
آنکھوں میں یہ آنسو ہیں یا خون کی طغیانی

جس سمت بھی اب دیکھو برپا ہے قیامت سی
اک درد مجسم ہے ہر پیکر انسانی

تونے تو کلیجے میں اک آگ سی بھر دی ہے
اے رحلت نعمانی اے رحلت نعمانی

کی عمر بسر جس نے اسلام کی خدمت میں
آغوش لحد میں ہے وہ عالم ربانی

مفتاح کا گلشن ہے پامال و خزاں دیدہ
ہر ایک روش پر ہے چھائی ہوئی ویرانی

ارباب بصیرت کو بھولے گی نہ صدیوں تک
وہ نکتہ رسی اس کی وہ اس کی گل افشانی

خورشید کی صورت تھا وہ پیکر یکتائی
ذروں کو بنا ڈالا گہوارۂ تابانی

کردار جمال آگیں، گفتار جلال آئیں
وہ چاند کی خنکی تھا سورج کی درخشانی

تھے قلب منور پر آئینہ صفت روشن
اسرار جہاں داری، آداب جہاں بانی

میدان وغا میں تھا شمشیر بکف ہر دم
راس آئی کہاں اس کو درویشی و رہبانی

اب جائیں کہاں آخر یہ حلقہ بگوش اس کے
آئینۂ ملت ہے اور ورطۂ حیرانی

اب ختم سخن پر ہے میری یہ دعا یا رب
راس آئے اسے تیرے فردوس کی مہمانی

حضرت نعمانی کے مزار پر

عقیدت کے چند پھول —— از ضیا نعمانی

اے شمع دل افروز شب غم، اے موج نسیم صبح حسیں ٭ اے ساقی بزم علم و ادب، اے پیر مغان دین متیں

اے شعلہ فشان رزم جہاں، اے نور فزائے بزم یقیں ٭ اے شمع علوم مصطفوی، اے شرح رموز فتح مبیں

اے اسوہ حسنہ کے ہادی، اے نغمہ زن آثار نبی ٭ اے موجۂ دریائے عرفاں، اے شیخ حدیث ذی تمکیں

اے فقہ و کلام و فلسفہ داں، اے منطق ساز خوش تبیاں ٭ اے شیخ طریق ختم رسل، اے خضر رہِ فردوس بریں

اے پائے ثباتِ راہ ہدیٰ، اے تیغ زباں اے سیفِ قلم: اے غازیِ میدانِ باطل، اے چشمۂ علم و حاملِ دیں
اے رمزِ شریعت کے دانا، دستورِ سیاست کے ماہر: اے راہ نمائے منزلِ حق، اے چارہ گرِ دلگیر و حزیں
اے جوہرِ ایماں تابِ نظر، اے صاحبِ دل اے اہلِ جگر: اے جہدِ مسلسل کے خوگر، اے عالی ہمت خندہ جبیں
اے آہنی بازو مردِ جواں، اے کوہِ گرانِ عزم و عمل: اے قوم و وطن کے قلب و نظر اے راہ گرائے دانش و دیں

اے روحِ لطیفِ عبدلطیف، اے حسن و جمالِ جامعہ مئو
اے زاہدِ شب زندہ داراں، اے جلوۂ نجم صبح یقیں
اے جانِ جہاں آبادِ مئو، اے نکہتِ باغِ اعظم گڑھ
اے صدر نشینِ اہلِ خرد، اے باغ و بہارِ خانۂ دیں

ہر راہ گزر ہے نقش ترا، ہر راہ نما ہے یاد تیری: قصبہ کی مشیّد سڑکوں سے روشن ہیں ترے آثارِ حسیں
ہر چشم ہے تر ہر دل مضطر، ہر لب پہ ہیں آہ و نالۂ غم: مفتاح کے بام و در کی قسم، مفتاح کے بام و در میں حزیں
ذرات کو شوقِ بوسۂ پا نظروں میں ہیں تمنائے جلوہ: اے جلوۂ پنہاں کچھ تو بتا فرقت کا مداوا ہے کہ نہیں

ہر ذرۂ تربت اشکوں سے نمناک ہے اور تو خوابیدہ
اٹھ دیکھ زمانہ تیرے لئے غمناک ہے اور تو خوابیدہ

نظم

از ڈاکٹر صادق رضا لاری

قوم کے تھے راہبر عبداللطیف
علم کے پیغامبر عبداللطیف

جادۂ ہستی منور کر گئے
دین کے شمس و قمر عبداللطیف

کامیابی چومتی تھی ان کے پاؤں
مشکلوں سے باخبر عبداللطیف

کہتی ہے یہ شانِ مفتاح العلوم
ماہرِ علم و ہنر عبداللطیف

تجھ کو کہتے ہیں مئو کی آبرو
زینتِ شام و سحر عبداللطیف

کتنے پیچیدہ مسائل حل کئے
دیکھتے ہی اک نظر عبداللطیف

فیض پاتا تھا رضاؔ ان سے جہاں
علم کے لعل و گہر عبداللطیف

موت عالم نہیں موت عالم ہے یہ

از: محمد عثمان معروفی

آہ الحاج مولانا عبداللطیف — چل بسے دارِ فانی سے باغِ ارم
اک بیک چھن گئی ہے متاعِ سکوں — قلب گریاں ہوا ہو گئی چشم نم
موتِ عالم نہیں موتِ عالم ہے یہ — ہر طرف بچھ گئی ہے صفِ رنج و غم
فرد واحد مگر رشکِ صد انجمن — چومتی تھی زمیں تیرا نقشِ قدم
واعظِ خوش، مناظر، مجاہد، جری — ماہرِ علم منقول و معقول ہم
واقفِ رمزِ دین و سیاست بہم — نطق درِّ عدن، علم پُر از حِکم
ہاتھ میں اک سیاست کا سندانِ عشق — دوسرے میں لئے شرع کا جامِ جم
درسِ علمِ نبی میں کٹی زندگی — نقشِ لوحِ زماں پر ترا مُرتسم
ہوسکیں کیا کمالات تیرے بیاں — شرحِ اوصاف سے ہے یہ عاجز قلم

نورِ رحمت سے پُر قبر ہو ہر گھڑی
ہر طرح کی تجھے عافیت ہو بہم

آہ شیر مئو

از: ارشد کریمی بہادر گنج

ضبط کی تاب و تواں جاتی رہی — کیا کہوں یہ حادثہ کیسا ہوا
اے مفکر اے مجاہد شیر دل — شہر تیرے غم میں ہے ڈوبا ہوا
تیری شمع زندگی کیا گل ہوئی — دیکھتا ہوں شہر دل جلتا ہوا

تجھ سا دانشور کہاں سے لائیں گے
زرد چہرہ اب سیاست کا ہوا

قدردانِ گلِ بہار گیا

از ایم، اے دل حسینی مئوناتھ بھنجن

مسندِ علم ہو گئی سونی
بزمِ عرفاں کا مے گسار گیا

کون ہے دوربین و دور اندیش
اب نگاہوں کا اعتبار گیا

دیکھئے اب سکوں ملے نہ ملے
تھی فضا جس سے خوشگوار گیا

زندگی دے کے اک زمانے کو
آج خود زندگی کو ہار گیا

خاکساری کو ناز تھا جس پر
اب وہ دنیا سے خاکسار گیا

درسِ ایثار کس سے لیں گے لوگ
جاں نثاروں کا جاں نثار گیا

آگہی کہتی پھرتی ہے دلؔ سے
اہلِ دانش کا اب وقار گیا

لحنِ غمِ مہجوری

از وفا کوپاگنجی اعظمی

آبروئے اہلِ حق، ارثِ نبی
ضامنِ ایمان و جانِ عاشقی

پاک طینت نازشِ انسانیت
عبدِ عاجز، مظہرِ وحدانیت

شاہکارِ فکر و دانش، ذی فہیم
حاملِ ناموسِ دینِ مستقیم

اُف کجا رفتہ زگلزارِ وفا
شد جہاں بیگانۂ بانگِ درا

مادہائے تاریخ وفات

(۱) عاش عبدُ اللطیفِ خادِماً لِلمِفتاحِ مُکمِلاً
۱۹۷۳ء

(۲) فموتُ العالِمِ کانّہٗ موتُ العالَمِ
۱۳۹۲ھ

(۳) حبیب زمانہ صدر المدرسین جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئو
۱۹۷۳ء

(۴) جزاک اللہ فی الدّارینِ خیراً وافیاً
۱۳۹۲ھ

(۵) اَللّٰھُمَّ اغفِرہٗ
۱۳۹۲ھ

(۶) مُعَلِّمِ غریب
۱۳۹۲ھ

(۷) او رفتہ خوش دار نعیم
۱۹۷۳ء

(۸) مرد کنز علم در جنت رسید
۱۳۹۲ھ

(۹) وائے راہِ حق کا لائق رہنما جاتا رہا
۱۳۹۲ھ

(۱۰) آہ وصال، باعثِ ملال مولانا عبداللطیف
۱۳۹۲ھ

دانائے دین وسیاست

(از:۔ مولوی سعید الحق اعظمی متعلم دارالعلوم دیوبند)

۷ رجنوری ۱۹۷۹ء کو بعد نماز مغرب حضرت شیخ الحدیث مولانا عبداللطیف صاحب نعمانی کی خبر وفات حسرت آیات وابستگانِ دارالعلوم دیوبند پر بجلی بن کر گری، اس المناک خبر سے اچانک دلوں کا سارا سکون برہم ہوگیا اور اعضاء وجوارح شل سے ہوگئے، یقین نہیں آتا تھا کہ وہ شمع ربانی جو تقریباً نصف صدی سے علم ویقین کی روشنی سے دلوں کو منور کررہی تھی، اچانک گل ہوگئی ہوگی۔

لیکن جب دارالعلوم کی ساری فضا سوگوار ہوگئی تو یقین کرلینا پڑا کہ وہ دانائے دین وسیاست واقعی اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرچکا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وقت کسی کا انتظار کئے بغیر تیزی سے گذر رہا ہے اور مردانِ کار سے میدان خالی ہوتا چلا جا رہا ہے، حالات میں سدھار کے بجائے مزید بگاڑ پیدا ہو رہا ہے، ان ناگفتہ بہ حالات میں مذہب وملت کی قیادت کے لئے ایسے مردان کار کی ضرورت تھی جن کے دل خلوص وللہیت سے معمور اور سینہ جذبۂ ایمانی سے بھرپور ہو، دور حاضر میں دینی قیادت کا سنبھالنا مٹھی میں چنگاری لینے کے مرادف ہے، لیکن معاملہ جس قدر شدید اور خوفناک ہوتا جا رہا ہے، باعمل اور فعال شخصیتیں اسی انداز سے اٹھتی جا رہی ہیں، اکابر ملت کی ایک معتدبہ تعداد ہم سے جدا ہوچکی ہے، مگر ان کی جگہ ایسے افراد واشخاص میدانِ عمل میں نظر نہیں آتے جو ان اکابر کے ادھورے کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی جرأت رکھتے ہوں، اور نہ مستقبل قریب میں اس کی کوئی خوش آیند توقع ہے، ایسے نازک موڑ پر مولانا نعمانی رح کا کوچ کرجانا ملت کے لئے اتنا زبردست المیہ ہے جس کی تلافی دشوار ہے۔

مولانا مرحوم کی شخصیت اتنی فعال تھی کہ اس کا دائرۂ عمل مختلف سمتوں کو گھیرے ہوئے تھا وہ بیک وقت قرآن وحدیث کے اسرار و رموز کے ماہر اور دین و سیاست کے بہترین صلاح کار تھے، زندگی کا ایک حصہ میدان سیاست کی معرکہ آرائیوں سے وابستہ تھا تو دوسرا علم و عرفان کی جلوہ سامانیوں سے منور، مئو اعظم گڈھ کے گرد و پیش کوئی اتنا کامیاب قائد ملت اس دور میں نہیں ابھر سکا، آپ ہمیشہ وقت کے زیر و بم اور نشیب و فراز کا ایک ہوشمند اور روشن ضمیر مصلح کی طرح جائزہ لے کر آسمانِ سیاست پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے رہے، مزاج حریت پسند تھا، خود آزاد تھے اور اپنے ملک اور قوم کو ہر قسم کے غیر ملکی دباؤ سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے، میدان کارزار میں اس وقت تک نبرد آزما رہے جب تک فضا نعرۂ آزادی سے گونج نہ اٹھی۔

مولانا مرحوم خاص طور پر اسلامی امور کو فروغ دینے میں بڑی دلچسپی رکھتے تھے، ان کے زمانہ میں مئو اعظم گڈھ کے مسلم ادارے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ گئے تھے، مقامی زندگی کے ہر گوشہ میں خاطر خواہ نمایاں ترقی ہوئی، آپ کی ہوشمندی، دوربینی اور تدبیر مخالفین کے دلوں میں شعلۂ حسد بن کر سلگتی تھی لیکن ان کے ہمت و ارادہ کے سامنے کوئی چوں تک نہیں کرتا تھا۔

مولانا مرحوم بڑے عالم فاضل تھے، قرآن و احادیث اور دیگر علوم و فنون کی کتابوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے بالخصوص منطق و فلسفہ کے امام سمجھے جاتے تھے، دار العلوم مئو سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک آپ کے علمی مناظروں سے فضا گونجتی رہی، اپنے حریف کو آپ نے ہمیشہ شکست فاش دی، وہ جامعہ مفتاح العلوم مئو ناتھ بھنجن کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث بھی تھے اور مہتمم بھی، مدرسہ مفتاح العلوم مولانا کی علمی جولانگاہ تھی، اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی درسگاہ کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر رکھا تھا، آج مدرسہ اپنی علمی ترقی کے ساتھ ساتھ تعمیری ترقی میں بھی معراج کو پہنچ گیا ہے، اس درس گاہ کے فارغ التحصیل علماء و فضلاء ہندوستان کے ہر گوشہ میں علمی و دینی خدمت میں منہمک نظر آتے ہیں اور جب تک ان کا یہ سلسلہ قائم رہے گا مولانا زندہ رہیں گے، یوں بھی مولانا اپنے عظیم علمی، ملی اور سیاسی کارناموں کی وجہ سے ہمیشہ محبت و احترام کیساتھ یاد کئے جائیں گے۔

یوپی اسمبلی کیطرف سے نذرانہ عقیدت اور اعتراف خدمت

”ابھی حال ماہ جنوری میں اعظم گڈھ کے سابق ممبر اسمبلی جن سے ہم لوگ پورے طور پر واقف ہیں، جو ہمارے بزرگ رہے ہیں اور جن کا احترام و وقار ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہا ہے اور بڑے بڑے خلفشار کے زمانہ میں بھی قومیت اور سیکولرزم کے موید آزادی کے سپاہی رہ چکے ہیں۔

یعنی مولانا عبداللطیف نعمانی کا ۶ر جنوری ۱۹۷۳ء کو انتقال ہوگیا، آپ بہت بڑے باہوش اور باتدبیر آدمی تھے، شروع ۲۱-۱۹۲۰ء سے تحریک آزادی میں شریک رہے، بہت بزرگ اور ذی رائے آدمی تھے، تمام اعظم گڈھ کیلئے کیا ہندو کیا مسلمان سبھوں کے محترم رہے، سبھوں نے آپ کو قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھا، آپ نیشلسٹ خیال کے تھے، اور ہمیشہ فرقہ واریت کے مخالف رہے، آپ کے ذریعہ قومی ایکتا کو ہمیشہ مدد ملتی رہی، مئو نگر پالیکا کے برابر چیرمین رہے اور اس وقت بھی چیرمین تھے۔

آپ کے صاحبزادے ہمارے بھائی حبیب الرحمٰن نعمانی بھی ممبر اسمبلی ہیں، مولانا کی وفات سے ایک ایسا انسان اس دنیا سے اٹھ گیا جس نے آزادی کی جنگ میں پوری قربانی دی تھی، اور جنھوں نے اپنی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی ملک کی تقویت کے لئے عجیب وغریب راستے دیکھائے ہیں، مرحوم کے انتقال پر ہم اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں، ہمارا یہ دلی صدمہ ان کے خاندان کے لوگوں، ان کے صاحبزادے جو ہمارے ساتھی اور ممبر اسمبلی بھی ہیں ان تک اور مئو کی پبلک تک جہاں ان کا بڑا احترام و وقار رہا ہے اسی کے ساتھ باشندگانِ اعظم گڈھ کو بھی ہمارا یہ رنج وغم پہنچانے کی مہربانی کی جائے۔

ان کے پورے خاندان کے ساتھ ہماری پوری ہمدردی ہے، ان لفظوں کے ساتھ ہم ان کی روح کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں“

(دیکھئے کارروائی یوپی اسمبلی ۱۰ر جنوری ۱۹۷۳ء ص ۲)

(ہندی سے ترجمہ)